عربی عبارات کا معیاری ادبی ترجمہ کرنے سے متعلق

اہم ترین اصول وآداب پر مشتمل کتاب بنام

ترجمہ کیسے کریں؟

حصہ اوّل





حضرت مولانا ابو ریّان تصوّر حسین مدنی



مکتبہ ریان



کتاب کا نام ﴿ترجمہ کیسے کریں؟﴾

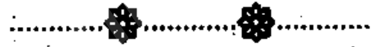
مصنف: ابوریان تصور حسین بن غلام سرور بن علیم الدین بن نصیر الدین

سن اشاعت اول ...... جمادی الاولی 1439 بمطابق 26/01/2018

ناشر .... مکتبہ ریان



☆☆............ملنے کا پتہ......☆☆



مکتبہ ریان نزد عسکری پارک پرانی سبزی منڈی کراچی

مکتبہ حسان فیضان مدینہ نزد عسکری پارک پرانی سبزی منڈی کراچی

email:madani3226@gmail.com



03451394613

03067625400

03102864568

عرض مصنف

کلام کی خامیوں کو دور کرنے اور اسے حُسن بخشنے کے لیے علم صرف، نحو، اشتقاق ادب، معانی، بیان اور بدیع اور اسی طرح غریب الفاظ کی شرح وتوضیح کے لیے لغت، یہ تمام علوم ایک آلہ کے طور پر منصۂ شہود پر آئے جن کی مدد سے متکلم کلام میں حسن پیدا کر کے سامع کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اور اس تک بہتر اور احسن انداز میں مافی الضمیر پہنچا سکتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عربی عبارات سمجھنے کے لیے عربی علوم وفنون کا عمیق مطالعہ درکار ہے کہ جب تک کلامِ عرب کا تحقیقی مطالعہ نہ ہو اور عربی بلاغت پر نظر نہ ہو اس وقت تک کَمَاحَقُّه عربی عبارات پر نظر نہیں ہو سکتی۔ لہذا عربی عبارات کا فہم اسی کو ہو سکتا ہے جس کی نظر میں وُسعت ہو جس کا علم عمیق ہو اور عرب کے مختلف اسلوب وبیان وفکر ومزاج سے واقف ہو۔ عربی عبارات سمجھنے اور ان کا معیاری ادبی فصیح وبلیغ ترجمہ کرنے کے جتنے بھی اصول وآداب علمائے کرام نے بیان کیے ہیں اُن کا ماخذ کلام عرب اور قرآن مجید ہی ہے چونکہ زبان اصول وقواعد سے نہیں، اصول وقواعد وآداب زبان سے بنتے ہیں۔

کسی بھی زبان کے بولنے والے جو کچھ بولتے، لکھتے ہیں، اُن کی گفتگو اور تحریروں کے تتبع وتلاش سے اصول وآداب اخذ کیے جاتے ہیں اور اخذِ اصول وقواعد کا یہ عمل کہیں رُک نہیں جاتا، ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے اہل تحقیق اہل زبان کے کلام میں تتبع وتلاش سے نئے نئے اصول وآداب دریافت کرتے رہتے ہیں۔ جب بھی کوئی نیا اصول یا نیا قاعدہ بیان کیا جاتا ہے اُس

کی دلیل کے طور پر فقط یہ بات کافی سمجھی جاتی ہے کہ اِس کے شواہد اہل زبان کے مُسْتَنَد کلام میں موجود ہیں اوراس کی بنیاد پر عربی عبارات کی بہت سی مشکلات حل ہوجاتی ہیں۔

جامعۃ المدینہ میں 2010ء سے علوم عربیہ واسلامیہ پڑھانے کی سعادت حاصل ہورہی ہے اس زمانہ میں طلبہ کرام کا یہ اصرار رہا اور میری بھی یہ خواہش رہی کہ عربی عبارات کا معیاری ادبی ترجمہ کرنے سے متعلق ترجمہ کے اصول وآداب پر مشتمل کتاب مرتب کردی جائے۔ اللہ کا نام لیکر اپنے علم وفہم کے مطابق یہ کام شروع کردیا جو درمیان میں بعض عوائق کے پیش آجانے کے باوجود **بفضلہ تعالیٰ** پورا ہوگیا اب یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ تاکہ ترجمہ کرنے میں مددگار ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میرے لیے صدقہ جاریہ اور ذریعہ مغفرت بنائے آمین۔

اُستاذ العلماء حضرت مولانا عبدالواحد صاحب عطاری دامت برکاتہم العالیہ کا بھی شکرگزار ہوں کہ اپنی قیمتی آرا سے نوازا جس کی بدولت یہ کتاب تحریر کرنے میں کافی مدد ملی۔

مگر خیال رہے کہ کسی نئے قاعدے یا نئے اسلوب کو محض اِس وجہ سے ناقابل اعتنا نہیں ٹھہرایا جاسکتا کہ وہ کتابوں میں موجود نہیں ہے۔ ہاں البتہ اصل ماخذ یعنی اہل زبان کے کلام کی بنیاد پر اُس پر تنقید کی جاسکتی اور اُسے ناقابل قبول قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر پھر بھی کسی قاری کو کوئی غلطی نظر آئے تو اطلاع فرمائے اگر قابل قبول ہوئی تو بسر وچشم اسے قبول کروں گا اور تہِ دل سے شکرگزار ہوں گا۔

ابو رَیان تصور حسین عطاری قادری مدنی

مقدمہ

انسان تمام مخلوقات سے اشرف واعلی ہے اس کی وجہ اس کا ناطق ہونا ہے اپنے احساسات جذبات افکار اور مافی الضمیر کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ اسے تفکر وتدبر کی صلاحیت بھی عطا کی گئی ہے جو کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں۔

انسان اپنے احساسات، جذبات افکار اور مافی الضمیر کا اظہار کرنے کے لیے جس چیز کو بطور آلہ استعمال کرتا ہے اس کو زبان کہا جاتا ہے اہل علم حضرات کے ہاں لفظ زبان کا اطلاق صرف جسم کے ایک ٹکڑے پر نہیں بلکہ وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

بنیادی طور پر زبان کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے:

(1): خواہشات وجذبات وافکار کے اظہار کا آلہ۔

(2): تفکر۔

(3): تحریر۔

بہر حال زبان جزء لازم کی حیثیت رکھتا ہے کوئی بھی فرد اس کا انکار نہیں کر سکتا زندگی کے ہر موڑ پر اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کرنے کے لیے زبان کا سہارا لینا پڑتا ہے لہذا کسی بھی صورت میں زبان کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ انسان کا تعلق کسی ایک قبیلہ سے نہیں بلکہ مختلف قبائل میں منقسم ہے اس کی تہذیب، ثقافت اور زبان قبیلے کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوجاتی ہے لہذا اختلاف قبائل سے اختلافِ لُغات کا وُجود ایک بدیہی امر ہے اور دوسری زبان سے تعلق

رکھنے والے لوگوں تک اپنا مافی الضمیر پہنچانے کے لیے زبان ایک آسان ذریعہ ہے۔

بسا اوقات اس مرحلے پر ہمیں علم ترجمہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ تاکہ معنی ومفہوم کو مؤثر انداز میں ایک نئے قالب میں ڈھال کر اپنا پیغام پہنچانا ممکن ہو سکے اور اسی مقصد کے تحت لغت، معاجم، نحو، صرف، معانی، بیان اور بدیع وجود میں آئے۔

دوسرا یہ کہ اللہ کی عبادت کے فریضے کو انجام دینے کے لئے اس کے احکامات کا علم حاصل کرنا لازمی ہے لیکن ان تمام احکامات واصول وقواعد کے علم کا اصل مآخذ (قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ) عربی زبان میں ہے تو اس کے لیے عربی زبان سیکھنا بہت ضروری ہے تاکہ قرآن وحدیث سمجھنا آسان ہو۔

مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ مختلف قبائل کے تمام لوگوں کے لیے براہِ راست قرآن وحدیث سمجھنا اور ان سے رہنمائی حاصل کرنا ممکن نہیں اس لیے یہ ذمہ داری علمائے اُمت پر عائد ہوتی ہے کہ عربی زبان کے اصول وقواعد اور مزاج کے مطابق قرآن وحدیث کی صحیح ترجمانی کریں اور اس فرض کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ دینی طلباء اور علماء کو فنِ ترجمہ پر مہارت تامہ حاصل ہو تاکہ اسلامی تعلیمات کا صحیح فہم حاصل ہو پھر صحیح ترجمانی کریں۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ فنِ ترجمہ پر مشتمل اصول وآداب کا ایک مجموعہ تیار کیا جائے جس سے اہلِ علم مستفید ہو سکیں اور اس بات کا اظہار کرتے ہوئے مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ حضرت علامہ مولانا ابو رَیان تصور حسین قادری مدنی نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا اور اب یہ ایک کتاب کی شکل اختیار کر چکا ہے موصوف کم وبیش دس سال سے عربی زبان میں ترجمہ اور درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں گویا یہ کتاب ان کے دس سالہ

تجربات کا نچوڑ ہے۔

راقم الحروف کو یہ کتاب پڑھنے کا موقع ملا جو خصوصیات اس کتاب میں دیکھنے کو ملی وہ یہ ہیں:

(1): اہل سنت کی طرف سے پہلی کوشش ہے کہ اس طرح کے اچھوتے موضوع پر قلم اٹھایا گیا۔

(2): ترجمہ کو متعارف کروایا اور اس کی مختلف اقسام بھی بیان فرمائیں مثلاً: لفظی ترجمہ ، بامحاورہ ترجمہ، مفہومی ترجمہ، تفسیری ترجمہ پھر ہر قسم کو مثالوں سے واضح فرمایا۔

(3): جہاں معیاری ادبی اور دُرست ترجمہ کرنے کے اصول وآداب بیان فرمائے وہاں ساتھ ساتھ غیر معیاری اور اغلاط کی نشاندہی فرمادی۔

(4): ترجمہ کے اصول وآداب کی وضاحت کے لیے بطور مثال عربی محاورات کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کا بھی خوب استعمال فرمایا۔

(5): ہر لفظ کا ترجمہ حقیقی معنی کے ساتھ کرنا ممکن نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات متکلم کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے لہذا ایسے مقامات پر موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے اصطلاحی ، شرعی ، عرفی ، مجازی یا لازم معنی کے ساتھ ترجمہ کرنا دُرست ہوتا ہے اس کی تفصیلاً وضاحت فرمائی۔

(6): بعض اوقات ایک عبارت کا مختلف انداز میں ترجمہ کیا جا سکتا ہے اس کی صورتیں بالتفصیل ذکر فرمائیں۔

(7): وہ ضروری ابحاث جن کا ذکر علم نحو وصرف میں ہو چکا ہے ان کا بھی اعادہ فرمایا لیکن ان کو اس قدر تحقیقی انداز میں پیش فرمایا جس کے ذریعے دورانِ ترجمہ کئی مشکلات

خود بخود حل ہو جائیں:

مثلاً: اسم، مصدر، ماضی، مضارع، امر، کان، موصوف صفت اور اضافت کی مختلف اقسام اور ادبی ذوق کے لحاظ سے ان کے ترجمہ کرنے کے مختلف طریقے مفصل انداز میں ایک جگہ جمع کیے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کاوش کو قبول فرمائے اور اور اس کتاب کو مفید بنائے اور مصنف کو اس انداز میں مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ اور ذریعہ مغفرت بنائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

محمد وقاص رضوی مدنی
(ایم فل علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور)

۴/ ربیع الاول ۱۴۳۹ ہجری

ترجمہ با قاعدہ ایک مستقل فن ہے ایک شعبہ ہے اس کو سیکھنا پڑے گا مزاج آشنا بننا پڑے گا جب مزاج آشنا ہو جاؤ گے اس کے بعد کوئی پریشانی نہیں ہوگی پھر خود ہی فرق کر لو گے کیا صحیح ہے کیا سقیم ہے

ترجمہ کرنے میں کمزوری کا ایک بنیادی سبب یہی ہے کہ ترجمہ کی تعریف اس کی قسام اس پر مہارت حاصل کرنے کے لیے کون کون سے علوم سیکھنا اور کن چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے یہ سب کچھ جانے بغیر ہی ترجمہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے دُرست معیاری ادبی ترجمہ کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی

ان ہی چیزوں کی وضاحت سے متعلق چند اصول وآداب اس کتاب میں ذکر کیے گئے ہیں

یہ کتاب کُل
26 فصلوں پر مشتمل ہے

فصل اول



ترجمہ کی تعریف اور اس کی اقسام

ترجمہ کی تعریف :

ترجمہ کالغوی معنی: تَرْجَمہ رباعی مجرد کے باب فَعْلَلَة کے وزن پر ہے، اس کے دولغوی معنی بیان کیے گئے ہیں:

(1): کسی دوسری زبان میں کلام کی وضاحت کرنا۔

(2): ایک زبان سے دوسری زبان میں کلام کونقل کرنا۔

(تاج العروس، فصل التاء)۔

ترجمہ کرنے والے کومُتَرْجِم (translator) کہاجاتاہے۔

ترجمہ کی اصطلاحی تعریف

مختلف طریقوں سے اس کی تعریف بیان کی گئی ہے:

(1): اصل کلام کے الفاظ کودوسری زبان کے ایسے الفاظ میں بدل دینا جواصل کے قائم مقام ہوسکیں۔

(2): ایک زبان میں بیان کردہ خیالات یامعلومات کودوسری زبان میں منتقل کرنا۔

(3): ترجَمہ (translation) محض ایک جسم کودوسرالباس پہنادینے کانام نہیں ہے بلکہ ایک جسم کے مقابلے میں بالکل ویساہی جسم تراش کراسے دوسرے لباس میں اس طرح لے آناہے کہ دونوں جسموں میں ایک ہی روح ہو۔

(4): عام طورپر ترجمہ سے یہ معنی مرادلیاجاتاہے کہ کلام ایک زبان میں ہواوراس کامعنی کسی دوسری زبان میں بیان کرنا۔

ترجمہ کی غرض وغایت (motive):

ایک زبان میں لکھے گئے معانی ومفاہیم کو دوسری زبان میں منتقل کرنا تاکہ دوسری زبان والے بھی ان سے فائدہ حاصل کرسکیں۔

ترجمہ کی اقسام

(1): لفظی ترجمہ۔

(2): بامحاورہ ترجمہ / معیاری ادبی ترجمہ۔

(3): مفہومی ترجمہ۔

(4): تشریحی / تفسیری ترجمہ۔

نوٹ: عبارت کا ترجمہ کرنے سے پہلے ترجمہ کی اِن اقسام میں سے کسی ایک قسم کا تعین (determine) کرنے کے بعد عبارت کا ترجمہ کریں کہ آپ عبارت کا لفظی، با محاورہ، مفہومی یا تشریحی ترجمہ کرنا چاہتے ہیں۔

ترجمہ کرنے میں کمزوری پیدا ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ عبارت کا ترجمہ کرنے والے ابتدائی طلبا ترجمہ کی اقسام میں سے کسی ایک قسم کا انتخاب (select) نہیں کرتے جس کی وجہ سے دُرست اور معیاری ترجمہ کرنے کی صلاحیت (ability) پیدا نہیں ہوتی۔

(1): لفظی ترجمہ:

نوٹ: لفظی ترجمہ کرنے کے دو طریقے ہیں

لفظی ترجمہ کرنے کا پہلا طریقہ:

(کلام کی ترکیب نحوی کا لحاظ رکھے بغیر) ترتیب وار لفظ بہ لفظ ترجمہ کرنا یعنی کلام کی ترتیب اصلی برقرار رکھتے ہوئے لفظ بہ لفظ ترجمہ کرنا اور تحت اللفظ معنی پر ایک حرف بھی زیادہ نہ کرنا۔ اور لفظی ترجمہ کو حرفی ترجمہ، لغوی ترجمہ اور تحت اللفظ ترجمہ بھی کہا جاتا ہے، ان سب کا

معنی ایک ہی ہے ان کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔

لفظی ترجمہ کی مثالیں:

(1): وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ:

مفتی محمد رضاء المصطفیٰ ظریف القادری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ تعریف کے مطابق اس آیت مبارکہ کا لفظی ترجمہ یوں فرمایا:

اور بیشک ایک گروہ سے اُن البتہ وہ چھپاتے ہیں حق اور وہ جانتے ہیں۔

(2): اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ:

مفتی محمد رضاء المصطفیٰ ظریف القادری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا لفظی ترجمہ یوں فرمایا:

کیا نہ آپ نے دیکھا طرف اُن کے جو دیئے گئے حصہ سے کتاب۔

(3): اِنَّ ولَدَ زيد قرَأَ كتابَه في غُرفةِ صديقِه:

لفظی ترجمہ:

بیشک لڑکا زید کا پڑھا کتاب اُس کی (اپنی) میں کمرہ دوست اُس کا (اپنے)۔

لفظی ترجمہ کرنے کا دوسرا طریقہ

ترکیبِ نحوی کا خیال رکھتے ہوئے کلام کی اصل ترتیب کے مطابق ترتیب وار ایک ایک جزء کا ترجمہ کیا جائے تو اسے بھی لفظی ترجمہ / حرفی ترجمہ / لغوی ترجمہ / تحت اللفظ ترجمہ کہا جاتا ہے اور آج کل عام طور پر اِسی اُسلوب کے مطابق لفظی ترجمہ کیا جاتا ہے۔

دوسرے طریقے کے مطابق لفظی ترجمہ کی مثالیں:

(1): وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ:

لفظی ترجمہ:

اور بیشک ایک گروہ اُن میں سے البتہ وہ چھپاتے ہیں حق اور وہ جانتے ہیں۔

(2): اذا ضُیِّعتُ الامانۃُ فانتظرُ الساعۃَ:

لفظی ترجمہ:

جب ضائع کردی جائے امانت تو انتظار کرو قیامت کا۔

(3): اِنَّ ولَدَ زید قرَاَ کتابَه في غُرففۃِ صدیقِه:

لفظی ترجمہ:

بیشک زید کے لڑکے نے پڑھا اپنی کتاب کو اپنے دوست کے گھر میں۔

(4): اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ:

لفظی ترجمہ :

کیا آپ نے نہ دیکھا اُن کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے۔

(5): یُصَلِّي اَخُ زید فی بیتِ الصدیق:

لفظی ترجمہ :

نماز پڑھتا ہے زید کا بھائی دوست کے گھر میں۔

لفظی ترجمہ کی خرابیاں:

(1): لفظی ترجمہ سے بعض اوقات مطلب پوری طرح سمجھ نہیں آتا۔

(2): صرف لفظی ترجمہ سے بعض اوقات غلط مفہوم پیدا ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے عام قاری تشویش میں مبتلا ہوسکتا ہے۔

(3): لفظی ترجمہ کا فی نفسہ سمجھنا آسان نہیں ہے کیونکہ لفظی ترجمہ میں لفظی اور ترکیبی

پیچیدگی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے عبارت کا معنی مرادی سمجھنا دُشوار ہوجاتا ہے یہ ہی وجہ ہے کہ لفظی ترجمہ پسند نہیں کیا جاتا بلکہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔

مگر جو ترجمہ کرنا سیکھنا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ سب سے پہلے لفظی ترجمہ کرنے پر مہارت حاصل کرے اور جب تک لفظی ترجمہ کرنے کی صلاحیت پیدا نہ ہو با محاورہ، مفہومی یا تشریحی ترجمہ کرنے سے بچے۔ ہاں جس میں لفظی ترجمہ کرنے کی کچھ صلاحیت پیدا ہوجائے تو اب وہ با محاورہ، مفہومی اور تشریحی ترجمہ کرنے کی بھی کوشش کرے۔

(2): با محاورہ ترجمہ / معیاری ادبی ترجمہ:

کلام کی ترکیب نحوی کا خیال رکھتے ہوئے مُحاوَرتی تعبیر کے مطابق (یعنی ترجمہ والی زَبان کے ادب کے مطابق) عبارت کا ترجمہ کرنا با محاورہ ترجمہ کہلاتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ لفظی ترجمہ کو محاورتی تعبیر کے مطابق بیان کرنا با محاورہ ترجمہ کہلاتا ہے۔

بعض حضرات نے یوں تعریف بیان کی کہ معیاری ادبی فصیح وبلیغ ترجمہ کرنے کا نام با محاورہ ترجمہ ہے۔

دونوں میں فرق صرف یہ ہے کہ لفظی ترجمہ محاورتی تعبیر کے مطابق نہیں ہوتا جبکہ با محاورہ ترجمہ میں محاورتی تعبیر کا خیال رکھا جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ با محاورہ ترجمہ پسندیدہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ با محاورہ ترجمہ عام طور پر تعقید لفظی اور معنوی سے پاک ہوتا ہے۔

با محاورہ ترجمہ کی وضاحت:

مطلب یہ کہ با محاورہ ترجمہ میں کلام کی ترتیب اصلی برقرار رکھتے ہوئے لفظ بہ لفظ ترجمہ

کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ ہمارے الفاظ کی ترتیب اور تقدیم وتاخیر اور الفاظ کا انتخاب ترجمہ والی زبان کے محاورہ کے مطابق ہو۔یعنی جس ترتیب اور جن الفاظ کے ساتھ اہل زبان اس کلام کو ادا کرتے ہیں ہم بھی اُسی ترتیب اور اُنہیں الفاظ کے ساتھ خوبصورت تعبیر میں کلام کا ترجمہ کریں تو یہ معیاری بامحاورہ ترجمہ کہلائے گا۔

بامحاورہ ترجمہ میں ضروری ہے کہ اصل عبارت میں جتنے الفاظ ہوں ترجمہ میں بھی محاورتی تعبیر کے مطابق اُتنے ہی الفاظ استعمال کئے جائیں اصل عبارت میں کسی طرح کی کمی زیادتی نہ کی جائے، اس لئے کہ بامحاورہ ترجمہ کرنے والا اصل عبارت کے الفاظ کا پابند ہوتا ہے۔

بامحاورہ ترجمہ کا پس منظر / فلسفہ:

کسی بھی زبان کے فصحا بلغا وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کی زبان وبیان صحت واِصابت اور فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے معیاری قرار پاتی ہے ان کی زبان ایک دلیل کی حیثیت رکھتی ہے، عموماً یہ حضرات اساتذہ اُدبا اور شعرا ہوتے ہیں اور کلام کو ترتیب سے اس طرح ادا کرتے ہیں جس طرح ادا کرنا چاہیے۔اور جب کسی کلام کی ادائیگی میں دُشواری ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ دیکھو کہ بڑے بڑے فصحا، اُدبا اور شعرا کس طرح بولتے ہیں جو وہ بولتے ہیں وہ صحیح ہے کیونکہ اس میں صدیوں کا ایک تسلسل شامل ہوتا ہے کہ عرصہ دراز سے اسی طرح بولا جارہا ہوتا ہے اور سب اہل زبان نے اس کو اپنایا ہوتا ہے۔یہ ہی وجہ ہے کہ معیاری ترجمہ کرتے وقت کہا جاتا ہے کہ ہمارا ترجمہ بھی محاورتی زبان کے مطابق ہو یعنی ہمارے الفاظ کی ترتیب اور الفاظ کا انتخاب بولی جانے والی زبان کے محاورہ کے مطابق ہو۔

لہذا ترجمہ کرنے سے پہلے اپنے ذہن میں محاورتی ترتیب قائم کرنا ہوگی یہ دیکھنا ہوگا کہ محاورتی تعبیر کے مطابق جملہ کی ترتیب کیا ہے اہلِ زبان فصحا اُدبا اِس کلام کا معنی ومفہوم ادا کرنے کے لئے کونسے الفاظ کس ترتیب سے ادا کرتے ہیں، لہذا اگر ہم اپنے ترجمے میں بھی ان چیزوں کا خیال رکھ کر ترجمہ کریں گے تو ایسا ترجمہ، با محاورہ ترجمہ کہلائے گا یعنی محاورتی زَبان کے مطابق ترجمہ کرنا کہلائے گا۔

بامحاورہ ترجمہ کی مثالیں:

(1):اِستَشْعَرَ زید بالصعوبة فِی فَهْمِ الدرس:

لفظی ترجمہ :

محسوس کی زید نے دشواری سبق سمجھنے میں۔

لفظی ترجمہ کی ترتیب محاورتی تعبیر کے مطابق نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کا معنی مرادی سمجھنے میں دُشواری ہورہی ہے تو مفہوم سمجھنے کے لئے پہلے سامع کو ایک کام یہ کرنا پڑے گا کہ محاورتی تعبیر کے مطابق اس جملہ کو ترتیب دے گا پھر اس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرے گا۔

بامحاورہ ترجمہ :

زید کو سبق سمجھنے میں دشواری محسوس ہوئی / زید نے سبق سمجھنے میں دشواری محسوس کی۔

(2): الحديث المُعَلَّل هو الحديث الذی اطّلع فيه على علّة تَقْدحُ فی صحته :

لفظی ترجمہ:

حدیث معلل وہ حدیث ہے جس میں معلوم ہوجائے ایسی علت جو عیب لگارہی ہو اس حدیث کی صحت میں۔

غیر معیاری بامحاورہ ترجمہ:

حدیث معلل وہ حدیث ہے حدیث کی صحت میں عیب لگاتی ہواس میں علت معلوم ہوجائے۔

یہ ترجمہ محاورتی تعبیر کے مطابق نہیں ہے جس کی وجہ سے اس عبارت کا معنی مرادی سمجھنا مشکل ہوگیا ہے۔

معیاری بامحاورہ ترجمہ:

حدیث معلل وہ حدیث ہے جس میں ایسی علت معلوم ہوجائے جواس حدیث کی صحت میں عیب لگارہی ہو (ضعف پیدا کررہی ہو)۔

(3): ان اخُتَلَّ احد مِن ھذہ الشروط فی الخبر فلا یُسمّٰی متواتِراً:

لفظی ترجمہ:

اگر فاسد ہوجائے (بگڑ جائے) کوئی ایک شرط ان شرطوں میں سے خبر میں تو اسے نام نہیں دیا جائے گا متواتر کا۔

غیر معیاری بامحاورہ ترجمہ:

اگر کوئی شرط فاسد ہوجائے (بگڑ جائے) ان شرطوں میں سے خبر میں تو اسے متواتر کا نام نہیں دیا جائے گا۔

یہ ترجمہ محاورتی تعبیر کے مطابق نہیں ہے جس کی وجہ سے اس عبارت کا معنی مرادی سمجھنا مشکل ہوگیا ہے۔

معیاری بامحاورہ ترجمہ:

اگر خبر میں ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اسے متواتر نہیں کہا جائے گا۔

(4): النوع الثانی: التعلیل بمخالفة لا تقدح فی صحة الحدیث:

غیر معیاری بامحاورہ ترجمہ:

دوسری قسم یہ ہے کہ مخالفت کی وجہ سے علت بیان کرنا حدیث کی صحت میں ضعف پیدا نہیں کرتا۔

یہ ترجمہ بالکل غلط ہے کیونکہ یہاں **لا تَقْدَح** خبر نہیں بلکہ **مخالفة** کی صفت بن رہا ہے جبکہ مترجم نے صفت والا ترجمہ نہیں کیا بلکہ خبر والا ترجمہ کیا ہے جس کی وجہ سے عبارت کا معنی بالکل بدل گیا ہے۔

معیاری بامحاورہ ترجمہ:

دوسری قسم یہ ہے کہ ایسی مخالفت کی وجہ سے علت بیان کرنا جو حدیث کی صحت میں ضعف پیدا نہ کرتی ہو۔

نوٹ:

لفظی ترجمہ کرنا بہت آسان ہے جبکہ بامحاورہ ترجمہ کرنا مشکل ہے کیونکہ بامحاورہ ترجمہ کرنے کے لئے مترجم کو اور زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر عام قسم کی تعبیرات استعمال کی جائیں اور محاوتی تعبیر کا لحاظ نہ رکھا جائے اور زبان کا اُسلوب وادب اور فصاحت کا خیال نہ رکھا جائے تو ایسا ترجمہ غیر معیاری ترجمہ کہلاتا ہے۔

تنبیہ:

بسا اوقات موقع محل کے اعتبار سے ایک بامحاورہ جملہ کا مختلف الفاظ وتعبیرات میں ترجمہ کیا جاتا ہے لہذا جب آپ کسی عبارت کا ترجمہ کریں تو آپ غور کریں کہ موقع محل (مُقتضی الحال) کے مطاق کس تعبیر کے ساتھ ترجمہ کرنا چاہیے جو محاورتی تعبیر کے مطابق اُس جگہ

کے بالکل مناسب ہواور تعبیر کی ترتیب خوبصورت بھی ہواور متکلم کے جذبات اوراحساسات کی عکاسی بھی کرتی ہو،صرف وضاحت کے لیے چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں اور ہوسکتا ہے کہ آپ مزید بہتر انداز میں ان کا ترجمہ کر سکتے ہوں:

(5):هذا يُسَبِّبُ ضُعفَ الذاكرة:

لفظی ترجمہ:

یہ پیدا کرتا ہے حافظہ کی کمزوری۔

بامحاورہ ترجمہ:

موقع کی مناسبت سے بامحاورہ ترجمہ اِن مختلف الفاظ وتعبیرات میں کیا جاسکتا ہے،مثلاً:

یہ حافظہ کی کمزوری پیدا کرتا ہے / یہ حافظہ کی کمزوری لاتا ہے / یہ حافظہ کی کمزوری کا سبب بنتا ہے / اس سے حافظہ کمزوری ہوتا ہے۔

ان تمام تعبیرات کا معنی ومفہوم ایک ہی ہے مگر صرف ان کے استعمال میں فرق ہے،لہذا ترجمہ کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ موقع کی مناسبت سے جومحاورتی ترجمہ ادبی ذوق کے لحاظ سے خوبصورت اور دلکش معلوم ہواُسی کے مطابق عبارت کا ترجمہ کیا جائے تاکہ آپ کا ترجمہ معیاری ادبی اور فصیح وبلیغ ترجمہ کہلائے۔

(6):اَكْلُ الكثير يُوْرِثُ الكسلَ:

لفظی ترجمہ:

زیادہ کھانا پیدا کرتا ہے سُستی۔

بامحاورہ ترجمہ:

زیادہ کھانا سُستی پیدا کرتا ہے/ زیادہ کھانا سُستی لاتا ہے/ زیادہ کھانا سُستی کا سبب بنتا ہے/ زیادہ کھانے سے سُستی آتی ہے۔

(7): اکُلُ الکثیر یُودِّي الی السُّمْنَة:

لفظی ترجمہ :

زیادہ کھانا لیجاتا ہے موٹاپے کی طرف۔

بامحاورہ ترجمہ:

زیادہ کھانا موٹاپے کی طرف لیجاتا ہے/ زیادہ کھانا موٹاپے تک پہنچاتا ہے/ زیادہ کھانا موٹاپے کا سبب بنتا ہے/ زیادہ کھانے سے موٹاپا آتا ہے۔

(8): حصَلَ لی کتاب:

لفظی ترجمہ:

حاصل ہوئی میرے لئے ایک کتاب۔

بامحاورہ ترجمہ:

مجھے ایک کتاب ملی/ ایک کتاب میرے ہاتھ آگئی/ مجھے ایک کتاب حاصل ہوئی۔

(9): ازْدَدْتُ علماً بعد ما قرأتُ هذا الکتابَ:

لفظی ترجمہ:

میں زیادہ ہوا علم میں بعد اس کے کہ میں نے پڑھی یہ کتاب۔

بامحاورہ ترجمہ:

محاورتی تعبیر کے مطابق موقع محل کے اعتبار سے اس کا بامحاورہ ترجمہ اِن جُدا جُدا الفاظ وتعبیرات میں کیا جاسکتا ہے، مثلاً:

جب سے میں نے یہ کتاب پڑھی ہے میرے علم میں اضافہ ہو گیا / یہ کتاب پڑھنے کے بعد میرے علم میں اضافہ ہوا / اس کتاب کو پڑھ کر میرے علم میں اضافہ ہو گیا۔

(10): فَمِنۡهُمۡ شَقِيٌّ وَّسَعِيۡدٌ:

بامحاورہ ترجمہ:

(1): تو ان میں کوئی بد بخت ہے اور کوئی خوش نصیب۔

(2): سو ان میں سے بعض بد بخت ہیں اور بعض نیک بخت۔

(3): پھر ان میں سے کچھ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔

(4): سو ان میں کوئی بد بخت ہوگا اور کوئی نیک بخت۔

(5): پس ان میں سے بد بخت بھی ہیں اور خوش نصیب بھی۔

(11): اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ:

(1): بیشک ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

(2): ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔

غور کریں معیاری ادبی بامحاورہ ترجمہ کیا ہو سکتا ہے جو مناسب لگے اُسے اختیار کریں۔

(3): ترجمہ کی تیسری قسم: مفھومی ترجمہ:

مفہومی ترجمہ میں صرف اصل مفہوم سے غرض ہوتی ہے کہ اصل کلام کے مرکزی خیال یا بنیادی نکتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اصل کلام کے معانی و مطالب کا مفہوم (خلاصہ) آسان الفاظ میں پیش کرنا کہ جس سے متکلم کی اصل مراد سمجھ آ جائے بشرطیکہ اصل عبارت کا معنی تبدیل نہ ہوتا ہو۔

فائدہ:

مفہومی ترجمہ اس وقت کیا جاتا ہے جب قاری یا سامع کو اصل متن کے اسلوب سے دلچسپی نہ ہو بلکہ وہ صرف اصل بات جاننے کا خواہش مند ہو۔

(4): ترجمہ کی چوتھی قسم: تشریحی/ تفسیری ترجمہ

وضاحتی، تشریحی اُسلوب میں اصل عبارت پر کچھ اضافی الفاظ کے ساتھ سَلِیس (آسان) زبان مین عبارت کا ترجمہ کرنا جو اصل عبارت کا معنی ومفہوم اور ماتن کی مراد کو مزید واضح کرتے ہوں۔

فائدہ:

اگر تشریحی ترجمہ کا تعلق قرآن سے ہو تو اسے تفسیری ترجمہ کہیں گے اور اگر غیر قرآن سے تعلق ہو تو اسے تشریحی ترجمہ کہنا مناسب ہے۔

نوٹ:

مفہومی یا تشریحی ترجمہ کرنا بھی بالکل دُرست ہے یہی وجہ ہے کہ ایک ہی عبارت کا ترجمہ کرتے وقت ہر مترجم علیحدہ علیحدہ الفاظ سے عبارت کی ترجمانی کرتا ہے۔ اگر وہ مختلف الفاظ اصل عبارت کا مفہوم تبدیل نہیں کرتے تو کوئی انہیں غلط نہیں کہتا۔

سوال: کیا ہر جگہ مفہومی ترجمہ کرنا دُرست ہے؟

جواب: ضرورتاً موقع کی مناسبت سے بعض جگہ مفہومی اور کبھی تشریحی ترجمہ کیا جاتا ہے بعض لوگ مفہومی ترجمہ کو پسند نہیں کرتے۔ وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات ایک جملے میں دو یا دو سے زائد معنوں کا احتمال ہوتا ہے جبکہ مفہومی ترجمہ کرنے والے حضرات اس جملے کے صرف ایک معنی ومفہوم کو سامنے رکھ کر اپنے الفاظ میں اس کا ترجمہ بیان کر دیتے ہیں جس سے متکلم کے کلام کی جامعیت اور اس کے مفہوم کی کُلی حیثیت مجروح ہو کر رہ جاتی ہے۔ خاص

طور پر جبکہ ایک جملہ (کلام) اپنے اندر ایک جامع مفہوم رکھتا ہو اور یوں وہ ایک مفہوم کلی کی حیثیت لیے ہوا ہو۔

اور یہ بات واضح ہے کہ ہر مفہوم کلی کے بہت سے افراد ہوا کرتے ہیں، اس طرح مفہومِ کلی میں موجود افراد کی کثرت کی وجہ سے اس کے معنی میں کافی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں کسی جملے کے مفہومِ کلی کو اس کے افراد میں سے کسی ایک فرد پر محدود کر دینا اور محض ایک احتمال کو لے کر ترجمہ کرنا اس وسیع مفہوم والے جامع کلام کو جزوی مفہوم میں بند کر دینا ہے، گویا کلی مفہوم کو جزوی مفہوم بنا دینا ہے جو متکلم کی مراد کے برخلاف کسی طور پر دُرست نہیں ہے۔

نیز یہ بھی ہے کہ اگر مفہومی ترجمہ کرنے والا محدود سطح کی ذہنیت رکھتا ہو اور جملے کے ایک محتمل معنی کو بھی اپنی ذہنی سطح پر رکھ کر سوچے اور محدود الفاظ میں بیان کرے تو جملے کے مفہوم کی محدودیت کا دائرہ مزید تنگ ہو جائے گا اس طرح متکلم اپنے کلام سے جو وسیع اور جامع مفہوم اپنے پیشِ نظر رکھتا ہے وہ ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

بامحاورہ، مفہومی اور تشریحی ترجمہ کے درمیان فرق

بامحاورہ ترجمہ کرنے والا بعینہ اصل عبارت کا ترجمہ کرنے کا پابند ہوتا ہے اصل عبارت میں کسی طرح کی کمی زیادتی نہیں کرتا جتنی عبارت ہو محاورتی تعبیر کے مطابق اُتنا ہی ترجمہ کرتا ہے اسے اپنی جانب سے کسی لفظ کو حذف کرنے اور اضافہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔

جبکہ مفہومی ترجمہ کرنے والا اصل عبارت کے الفاظ کی مقدار کا پابند نہیں ہوتا اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے (اختصار کے اسلوب پر) اپنے الفاظ میں اصل عبارت کا مفہوم (خلاصہ) بیان کرتا ہے جس سے اصل عبارت کا مطلب اور متکلم کی اصل مراد اور غرض سمجھ میں آ جائے۔

اور تشریحی ترجمہ کرنے والا بھی اپنے آپ کو بعینہ اصل عبارت کے ترجمہ کرنے کا پابند نہیں بناتا بلکہ وہ اصل عبارت پر کچھ زائد الفاظ کے ساتھ عبارت کا ترجمہ کرتا ہے جس کے ذریعے اصل عبارت کا معنی و مفہوم اور متکلم کی اصل مراد کو مزید واضح کرنا مقصود ہوتا ہے۔

نوٹ :

یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر عبارت کا مفہومی یا تشریحی ترجمہ کیا جائے بلکہ موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے بامحاورہ یا مفہومی یا تشریحی ترجمہ جو مناسب معلوم ہو اُسی کے مطابق ترجمہ کیا جائے۔

مزید وضاحت کے لئے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں

(1): لَنْ یَنْسَاہ:

لفظی ترجمہ:

وہ ہرگز نہیں بھولے گا اسے۔

بامحاورہ ترجمہ:

وہ اسے ہرگز نہیں بھولے گا۔

تشریحی ترجمہ:

وہ اسے ضرور یاد رکھے گا۔

یہ بات اَظْھَر مِن الشمس ہے کہ یہاں تشریحی ترجمہ اصل عبارت کے مفہوم میں کوئی ایسی تبدیلی پیدا نہیں کر رہا کہ جس کی وجہ سے عبارت کے معنی ہی بدل جائیں بلکہ یہ تشریحی ترجمہ تو عربی عبارت کے معنی و مفہوم کو مزید واضح کر رہا ہے اور متکلم کی اصل مراد بھی یہی ہے جسے تفسیری ترجمہ سے واضح کیا گیا ہے اور اس طرح کے ترجمہ پر یہ اعتراض کرنا کہ آپ نے

ترجمہ میں فلاں فلاں لفظ کا اضافہ کیا ہے جو اصل عبارت میں نہیں پایا جاتا تو ہمیں اصل عبارت میں بھی دکھاؤ تو اس قسم کے فضول اعتراضات علم اور عقل کی قلت کے سوا کچھ نہیں۔

(2):هذا حكم ثبَتَ بالاجماع مُخالِفاً للقياس:

لفظی ترجمہ:

یہ ایسا حکم ہے جو ثابت ہوا ہے اجماع سے اس حال میں کہ وہ مخالفت کرتا ہے قیاس کی۔

بامحاورہ ترجمہ:

یہ حکم خلافِ قیاس اجماع سے ثابت ہے۔

(3):اُرِيد اَنْ اُحسِنَ الكتابةَ:

لفظی ترجمہ:

میں چاہتا ہوں کہ میں اچھی بناؤں لکھائی۔

بامحاورہ ترجمہ:

میں لکھائی اچھی کرنا چاہتا ہوں۔

تشریحی ترجمہ:

میں اچھا کاتب بننا چاہتا ہوں۔

(4): حدیث پاک میں ہے:اِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ

لفظی ترجمہ:

بیشک سب سے زیادہ ناپسندیدہ مردوں میں اللہ کی طرف سخت جھگڑالو ہے۔

بامحاورہ ترجمہ:

بیشک اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔

مفھومی ترجمہ :

سخت جھگڑالو شخص اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔

(5):الکلامُ قسمان:

لفظی ترجمہ:

کلام دو قسمیں ہیں۔

بامحاورہ ترجمہ:

کلام کی دو قسمیں ہیں۔

تشریحی ترجمہ:

کلام دو قسموں پر مشتمل ہوتا ہے۔

(6): حدیث شریف میں ہے:اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ:

بامحاورہ ترجمہ:

تم لوٹ جاؤ پھر نماز پڑھو کیونکہ بیشک تم نے نماز نہیں پڑھی۔

تشریحی ترجمہ:

تم لوٹ جاؤ اور دوبارہ نماز پڑھو کیونکہ تم نے دُرست طریقے سے نماز نہیں پڑھی۔

(7):ھل دعاء یُحْمِی المسلمَ مِن الامراض:

لفظی ترجمہ:

کیا کوئی ایسی دعا ہے جو بچاتی ہو مسلمان کو بیماریوں سے۔

بامحاورہ ترجمہ:

وہ کون سی دعا ہے جو مسلمان کو بیماریوں سے بچاتی / محفوظ رکھتی ہے۔

مفھومی ترجمہ:

بیماریوں سے بچنے/ محفوظ رہنے کی کوئی دعاء/وظیفہ ہے۔

(8):ماذا يَفعَلُ مَن ماتَ والِدَاه وهُمَا ساخِطان عليه:

لفظی ترجمہ:

کیا کرے گا وہ شخص جس کے فوت ہو گئے ہوں والدین اس حال میں کہ وہ ناراض ہوں اس سے۔

بامحاورہ ترجمہ:

جس کے والدین ناراضگی کی حالت میں فوت ہو گئے ہوں تو وہ کیا کرے۔

جس کے والدین اس سے ناراض ہوتے ہوئے فوت ہو گئے ہوں تو وہ کیا کرے۔

(9):مَن أطاعَ أَبَوَيهِ فِيما فِيهِ مَعصِيةٌ يُعتَبَرُ عاصِيًا:

لفظی ترجمہ:

جس نے اطاعت کی اپنے والدین کی اس بات میں جس میں گناہ ہو، تو وہ سمجھا جائے گا/ شمار کیا جائے گا گنہگار۔

بامحاورہ ترجمہ:

جس نے گناہ کی بات میں اپنے والدین کی پیروی کی تو وہ گنہگار ٹھہرے گا/ گنہگار قرار پائے گا/ گنہگار شمار ہوگا۔

مفہومی ترجمہ:

جس نے اپنے والدین کی ناجائز بات مانی تو وہ گنہگار رہوگا۔

(10):لا يَقْدِرُ عَلَى تَرْكِه:

لفظی ترجمہ:

وہ قادر نہیں ہے اسے چھوڑنے پر۔

بامحاورہ ترجمہ:

وہ اسے چھوڑنے کی طاقت نہیں رکھتا/وہ اسے نہیں چھوڑ سکتا۔

تشریحی ترجمہ:

اسے چھوڑنا اس کے لیے انتہائی مشکل ہے۔

اسے چھوڑنا اس کے بس کی بات نہیں۔

کے لیے انتہائی مشکل ہے۔

(11):اراد زید ان یاکُلَ:

لفظی ترجمہ:

ارادہ کیا زید نے کہ وہ کھائے۔

بامحاورہ ترجمہ:

زید نے کھانے کا ارادہ کیا۔

(12): اَعْجَبَنِی کتابُکَ:

لفظی ترجمہ:

تعجب میں ڈال دیا مجھے تمہاری کتاب نے۔

بامحاورہ ترجمہ:

مجھے تمہاری کتاب پسند آئی۔

(13):بَدَتْ الزوجةُ تَشکُّ فی زَوجِها:

لفظی ترجمہ:

شروع کیا بیوی نے شک کرنا اپنے شوہر کے بارے میں۔

بامحاورہ ترجمہ:

بیوی نے اپنے شوہر کے بارے میں شک کرنا شروع کر دیا۔

(14):شَدَّ رِحالَه:

لفظی ترجمہ:

اس نے باندھا اپنا کجاوہ۔

بامحاورہ ترجمہ:

اس نے سفر کیا/سفر کا ارادہ کیا۔

(15): القیاس لغةً:

لفظی ترجمہ:

قیاس لغت کے اعتبار سے۔

بامحاورہ ترجمہ:

قیاس کا لغوی معنی۔

(16):انما المقصود مِن سجود التلاوة مجرّد ما یصلحُ تواضعاً لِیَتمیز المطیعُ عن العاصی المتکبرِ والرکوعُ فی الصلاة یَعْمَلُ هذا العملَ:

لفظی ترجمہ:

صرف مقصود سجدہ تلاوت سے صرف وہ ہے جو صلاحیت رکھتا ہو، تواضع کی تا کہ جدا ہو جائے یا الگ ہو جائے اطاعت کرنے والا، گنہگار تکبر کرنے والے سے اور نماز کا رکوع کام کر سکتا ہے یہ کام۔

با محاورہ ترجمہ :

سجدہ تلاوت سے مقصود صرف ایسا کام کرنا ہے جس سے تواضع کا اظہار ہو سکے تا کہ اطاعت کرنے والے اور متکبر گنہگار کے درمیان فرق ہو سکے اور نماز کا رکوع بھی یہ کام

کرسکتا ہے۔

مفھومی ترجمہ :

سجدہ تلاوت سے مقصود تواضع کا اظہار کرنا ہے تاکہ نیک اور گنہگار کے درمیان فرق کیا جاسکے اور نماز کے رکوع سے بھی یہ مقصود حاصل ہوسکتا ہے۔



دوسری فصل



لفظی اور با محاورہ ترجمہ پر مہارت حاصل کرنے کے لیے کن علوم کا جاننا ضروری ہے

سوال:

لفظی ترجمہ پرمہارت حاصل کرنے کے لئے بنیادی طور پر کن چیزوں کا جاننا ضروری ہے؟

جواب:

لفظی ترجمہ پرمہارت حاصل کرنے کے لئے کم از کم تین علوم کا جاننا ضروری ہے:

(1): علم صرف:

یعنی سب سے پہلے عبارت میں موجود کلمہ کی صرفی حیثیت معلوم ہونا ضروری ہے کہ کلمہ صرفی قواعد کے مطابق کونسا صیغہ ہے: اسم ہے تو اسم کی کونسی قسم ہے؟ اور فعل ہے تو کونسا فعل ہے: فعل ماضی ہے، فعل مضارع ہے، فعل امر ہے یا فعل نہی ہے اور فعل معروف ہے یا مجہول، اور صیغہ کونسا ہے: مذکر یا مؤنث، حاضر یا غائب؟ اور مصدر ہے تو مصدر کی کونسی قسم ہے: مصدر صریح، اسم مصدر، حاصل مصدر یا مصدر میمی؟ مطلب یہ کہ کلمہ کی صرفی حقیقت، صرفی فلسفہ معلوم ہونا چاہیے تب ہی دُرست ترجمہ ہو سکے گا۔

(2): علم نحو:

یعنی ترجمہ کرنے سے پہلے کلمہ کی نحوی حیثیت جاننا بھی ضروری ہے کہ کلمہ ترکیبِ کلام میں کیا بن رہا ہے: مبتدا یا خبر، فاعل یا مفعول، حال یا ذوالحال، ممیّز یا تمیز۔ کیونکہ ترجمہ کا اُصول ہے: الترجمةُ تحتَ التركيب (المعنى تحتَ التركيب): یعنی کلمہ کی نحوی حیثیت ترکیبی تعلق ذہن میں ملحوظ رکھ کر ترجمہ کیا جائے۔

مگر جب صرف عبارت پڑھنا مقصود ہو یا ترکیب نحوی بیان کرنا مقصود ہو تو اس قاعدے

کوسامنے رکھ کرعبارت پڑھی جائے یاترکیب بیان کی جائے:التر کیبُ تحتَ المعنیٰ.

(3): لغت:

یعنی ترجمہ کرنے سے پہلے کُتب لغت کی مدد سے لفظ کا معنیٰ جاننا ضروری ہے۔لہذا جب ان تین چیزوں کا علم ہوجائے اب اس کے بعد کلام کے اجزاء کی ترتیب کے مطابق ترتیب وار ایک ایک کلمہ کا، ایک ایک جزء کا ترجمہ کرتے جائیں یہ لفظی ترجمہ کہلائے گا۔

سوال :

بامحاورہ ترجمہ پرمہارت حاصل کرنے کے لئے کن چیزوں کا جاننا ضروری ہے؟

جواب:

بامحاورہ ترجمہ پرمہارت حاصل کرنے کے لئے کم ازکم پانچ علوم کا جاننا ضروری ہے:

(1)......صرف۔

(2).........نحو۔

(3)......لغت۔

(4)......فصاحت وبلاغت۔

(5)......ادب۔

پہلے تین علوم کا تعارف گزر چکا ہے مزید دوعلوم کی وضاحت ملاحظہ ہو:

(4): فصاحت وبلاغت کا علم ہونا:

یعنی بامحاورہ ترجمہ کرنے سے پہلے فصاحت وبلاغت جاننا بھی ضروری ہے تب ہی دُرست طریقے سے بامحاورہ ترجمہ ہوسکے گا۔لہذا اگرآپ بامحاورہ ترجمہ کرنا چاہتے ہیں

تو فصاحت و بلاغت کی رہنمائی میں مزید چند چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(1): بامحاورہ ترجمہ کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ترجمہ میں آسان اور عام فہم الفاظ استعمال کریں اور ترجمہ حشو وزوائد سے پاک ہو اور جو الفاظ استعمال کریں وہ زبان پر ثقیل بھی نہ ہوں۔

(2): تعقید لفظی و معنوی سے پاک ہو یعنی محاورتی تعبیر کے مطابق الفاظ کی ترتیب (تقدیم وتاخیر) ایسی ہو کہ آپ کے جملے کو پڑھنے میں اس کا تلفظ کرنے میں دشواری نہ ہو اور معنی مرادی سمجھنے میں بھی کوئی دشواری پیدا نہ ہو بلکہ آپ کا کلام سنتے ہی معنی مرادی کی طرف ذہن آسانی سے منتقل ہو جائے۔

جبکہ عام طور پر ترجمہ کرتے وقت بعض طلبہ کی اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی، ان کے ترجمہ میں تعقید لفظی اور تعقید معنوی پائی جاتی ہے، ان کا ترجمہ حشو وزوائد سے پاک نہیں ہوتا ان کا ترجمہ سُن کر معنی مرادی سمجھنا ہی مشکل ہو جاتا ہے معنی مرادی بالکل واضح نہیں ہوتا۔

(3): بامحاورہ ترجمہ کرنے وقت یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ پہلے فاعل کا ترجمہ کرنا ہے یا پہلے مفعول کا ترجمہ کرنا ہے یا پہلے فعل کا ترجمہ کرنا ہے یا پہلے متعلقات کا ترجمہ کرنا ہے۔ لہذا موقع کی مناسبت سے مقام جس لفظ کا پہلے ترجمہ کرنے کا تقاضا کرے اُسی لفظ کا پہلے ترجمہ کریں کیونکہ بعض جگہیں ایسی ہوتی ہیں کہ جہاں پہلے مفعول کا یا فعل کا ترجمہ کرنا مناسب ہوتا ہے لہذا مقتضی الحال کے مطابق اس بات کا فیصلہ کریں۔

(4): بامحاورہ ترجمہ کرنے وقت یہ پتہ ہونا ضروری ہے کہ عبارت میں موجود فعل ماضی کا ماضی مطلق والا یا ماضی قریب والا یا حال والا یا مستقبل والا ترجمہ کرنا ہے۔ اور اگر عبارت میں

فعل مضارع آرہاہوتو یہ پتہ ہوناچاہیے کہ مضارع کا حال مطلق والایاحال استمراری والایامستقبل مطلق والایا مستقبل دَوامی والاترجمہ کرنا ہے۔لہذاموقع محل کے اعتبار سے اس بات کاتعین کرکےفعل ماضی یامضارع کاترجمہ کیاجائے۔

(5): بامحاورہ ترجمہ کرنے وقت یہ پتہ ہونا بھی ضروری ہے کہ عبارت میں موجودلفظ کااصل وضع کے اعتبار سے جومعنی بنتاہے وہ معنی مراد ہےیعنی لفظ کالغوی معنی (حقیقی معنی، اصلی معنی) مراد ہے یااصطلاحی یاشرعی یاعرفی یامجازی معنی یالازم معنی مراذ ہے۔لہذاموقع محل کےاعتبار سے پہلے کسی ایک معنی کاانتخاب کیاجائے پھراُس لفظ کاترجمہ کیاجائے۔

(5): ادب:

یعنی ایک زبان سے دوسری زَبان میں معیاری بامحاورہ ترجمہ کرنے کے لئےضروری ہے کہ اُدبا فصحا بلغا کے کلام کاوسیع گہرامطالعہ کیاجائے تاکہ ہمارے الفاظ کاانتخاب اور جملہ کی ترتیب ان کے اسلوب اورروزمرہ استعمال ہونے وَالی محاورتی تعبیر کےمطابق ہو۔اگرترجمہ نگاری کے اس معیار کو برقرار نہ رکھا جائے تو ترجمے کی اصل روح ہی ختم ہوکررہ جاتی ہے اورایساترجمہ غیرمعیاری ترجمہ کہلاتاہے۔

کیونکہ ترجمہ کاایک اصول یہ بھی ہے: جس زبان میں بھی آپ اپنی بات بیان کرناچاہتے ہیں اس زبان کی محاورتی تعبیر کے مطابق ہی اپنی بات کو بیان کریں یعنی ہمارے الفاظ کی ترتیب اورتقدیم وتاخیراورالفاظ کاانتخاب محاورتی تعبیر کے مطابق ہوکہ جس ترتیب اورجن الفاظ کے ساتھ اہل زَبان، اُدباء، فُصحاءاس کلام کوادا کرتے ہیں ہم بھی اُسی ترتیب سے اُنہیں الفاظ کے ساتھ کلام کاترجمہ کریں توایساترجمہ معیاری ادبی بامحاورہ ترجمہ کہلائے

گا، مثلاً:

قُلْتُ لِزَیْد:

اگر متکلم اس کے کلام کے ذریعے یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں نے زید کو کہا ہے تو محاورتی تعبیر کے مطابق ترجمہ ہوگا:

میں نے زید سے کہا/میں نے زید کو کہا۔

اگر کسی نے ایسے موقع پر اس عبارت کا یوں ترجمہ کیا:

میں نے زید کے لئے کہا۔ تو یہ غیر معیاری ترجمہ کہلائے گا۔

کیونکہ یہ ترجمہ (میں نے زید کے لئے کہا) محاورتی تعبیر کے مطابق اُس وقت دُرست ہوتا جب متکلم کا اس کلام کے ذریعے یہ بتانا مقصود ہوتا کہ میں نے زید کے حق میں کسی سے بات کی ہے یا میں نے زید کی شان میں کوئی بات کہی ہے۔

ادب باقاعدہ ایک فن ہے ایک شعبہ ہے اس کو سیکھنا پڑے گا مزاج آشنا بننا پڑے گا جب مزاج آشنا ہو جاؤ گے اس کے بعد کوئی پریشانی نہیں ہوگی پھر خود ہی فرق کر لو گے کیا صحیح ہے کیا سقیم ہے۔

نوٹ:

جب آپ ان تمام چیزوں کا لحاظ رکھ کر ترجمہ کریں گے تو آپ کا ترجمہ خود بخود بہتر ہو جائے گا اور آپ کا ترجمہ معیاری ادبی فصیح و بلیغ ترجمہ کہلائے گا مگر اس کے لئے پہلے آپ کو مذکورہ پانچ علوم کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

مشورہ:

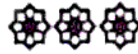
مبتدی طلبہ کو سب سے پہلے لفظی ترجمہ کرنے پر توجہ دینی چاہیے کیونکہ جو شخص لغت، نحوی

تراکیب اور صرفی صیغوں کے مطابق لفظی ترجمہ نہیں کرسکتا تو ایسا شخص معیاری دُرست بامحاورہ ترجمہ نہیں کرسکتا بلکہ عموماً ایسے شخص کا ترجمہ غیر معیاری ترجمہ کہلاتا ہے بلکہ ایسا ترجمہ ترجمہ کہلانے کے ہی قابل نہیں ہوتا۔ہاں جسے لفظی ترجمہ کرنے پر مہارت حاصل ہوگی وہ ہی دُرست انداز میں بامحاورہ، مفہومی اور تشریحی ترجمہ کرسکتا ہے۔

اور مشورہ یہ ہے کہ لفظی ترجمہ کے ساتھ ساتھ بامحاورہ اور مفہومی ترجمہ کرنے کی بھی کوشش کریں اور ایک جملہ کا ایک سے زیادہ بامحاورہ مختلف تعبیرات میں ترجمہ کرنے کی بھی کوشش کریں اس طرح بامحاورہ ، مفہومی اور تشریحی ترجمہ کرنے کی بھی صلاحیت پیدا ہوجائے گی۔ان شاءاللہ عزوجل



﴿......تیسری فصل......﴾



ترجمہ کرتے وقت طلباء کیا غلطیاں کرتے ہیں؟

ترجمہ کرتے وقت بعض طلبہ جو غلطیاں کرتے ہیں اس کی مختلف صورتیں ہیں، لہذا ترجمہ کرتے وقت آپ بھی ان پر غور کریں کہ کہیں آپ بھی یہ غلطیاں تو نہیں کرتے۔

ترجمہ کرنے میں غلطیاں کرنے کی مختلف صورتیں ملاحظہ فرمائیں

(1): بلا وجہ مرکب اضافی کا مرکب توصیفی والا ترجمہ کرنا جس کی وجہ سے عبارت کا معنی بدل جاتا ہو۔

(2): بلا وجہ مرکب توصیفی کا مرکب اضافی والا ترجمہ کرنا جس کی وجہ سے عبارت کا معنی غلط ہو جاتا ہو۔

(3): اسم نکرہ کا معرفہ والا ترجمہ کرنا جس کی وجہ سے عبارت کا معنی بدل جاتا ہو۔

(4): اسم معرفہ کا نکرہ والا ترجمہ کرنا جس کی وجہ سے عبارت کا مفہوم بدل جاتا ہو۔

(5): متن میں ایک لفظ فاعل کے طور پر مذکور ہوتا ہے بلا وجہ اس کا مفعول بہ والا ترجمہ کرنا جس سے عبارت کا معنی فاسد ہو جاتا ہو۔

(6): متن میں ایک لفظ مفعول کے طور پر مذکور ہوتا ہے بلا ضرورت اس کا ترجمہ فاعل والا کرنا جس سے معنی ومفہوم میں فرق آتا ہو۔

(7): متن میں فاعل یا مفعول بہ موجود ہوتا ہے بلا وجہ اس کا ترجمہ ہی نہ کرنا جس کی وجہ سے عبارت کا معنی تبدیل ہو جاتا ہو۔

(8): متن میں موجود مفرد لفظ کا بلا قرینہ جمع والا ترجمہ کرنا جس سے معنی فاسد ہو جاتا ہو۔

(9): متن میں موجود جمع کا بلا حاجت مفرد والا ترجمہ کرنا جس سے معنی ومفہوم میں فرق آتا ہو۔

(10): جملہ خبریہ کا ترجمہ بغیر کسی قرینے کے جملہ انشائیہ میں کرنا جس سے معنی فاسد ہوجاتا ہو۔

(11): صفت کا بلاوجہ خبر والا ترجمہ کرنا جس سے معنی ومفہوم میں فرق آتا ہو۔

(12): جس جگہ "کے لئے" کے ساتھ ترجمہ کرنا دُرست ہو وہاں " کی وجہ سے" کے ساتھ ترجمہ کرنا جس کی وجہ سے عبارت کا معنی ہی بدل جاتا ہو، مثلاً:

ضَرَبْتُ لِلتادیب:

اس عبارت کا ترجمہ کرنے سے پہلے یہ فائدہ سمجھ لیں:

علت غائیه:

جس علت (مقصد) کا وجود خارج میں فعل کے بعد پایا جائے وہ علت غائیہ کہلاتی ہے اور علت غائیہ مراد ہونے کی صورت میں "کے لئے" کے ساتھ ترجمہ کیا جاتا ہے۔

علت باعثه:

جس علت (مقصد) کا وجود خارج میں فعل سے پہلے پایا جائے وہ علت باعثہ کہلاتی ہے اور علت باعثہ مراد ہونے کی صورت میں " کی وجہ سے" کے ساتھ ترجمہ کیا جاتا ہے۔

ضرَبتُ للتادیب:

یہاں علت غائیہ مراد ہے جیسا کہ عبارت سے بھی واضح ہے، لہذا مذکورہ اصول کے مطابق اس عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا:

میں نے ادب سکھانے کے لئے مارا۔

اگر کسی نے ایسے موقع پر اس عبارت کا یوں ترجمہ کیا:

میں نے ادب سکھانے کی وجہ سے مارا۔ تو ایسا ترجمہ بالکل غلط ترجمہ کہلائے گا۔

جلَسْتُ لِلْجُبْن:

یہاں علت باعثہ مراد ہے جیسا کہ عبارت سے بھی واضح ہے ،لہذا مذکورہ اصول کے مطابق اس عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا:

میں بزدلی کی وجہ سے بیٹھا رہا۔

اگر کسی نے ایسے موقع پر اس عبارت کا یوں ترجمہ کیا:

میں بزدلی کے لئے بیٹھا رہا۔تو ایسا ترجمہ بالکل غلط ترجمہ کہلائے گا۔

(13): حاضر کے صیغہ کا غائب کے صیغہ کے ساتھ ترجمہ کرنا۔

(14): فعل معروف کا بلا وجہ فعل مجہول والا ترجمہ کرنا جس سے معنی ومفہوم میں فرق آتا ہو۔

(15): فعل مجہول کا بلا وجہ فعل معروف والا ترجمہ کرنا جس سے معنی ومفہوم بدل جاتا ہو۔

(16): فعل ماضی کا بغیر کسی حاجت کے مضارع والا ترجمہ کرنا جس سے معنی فاسد ہو جاتا ہو۔

(17): فعل مضارع کا بلا وجہ ماضی والا ترجمہ کرنا جس سے معنی بدل جاتا ہو۔

(18): مرکب ناقص کا بلا وجہ جملہ والا ترجمہ کرنا جس سے معنی غلط ہو جاتا ہو۔

(19): کثیر الاستعمال اور مشہور لفظ دستیاب ہونے کے باوجود اُسے چھوڑ کر اس کی جگہ کوئی غیر مشہور لفظ استعمال کرنا۔

(20): جب ایک لفظ کثیر معنی میں استعمال ہوتا ہو تو جو معنی متن میں مراد ہو اُسے چھوڑ کر کسی ایسے معنی سے ترجمہ کرنا جو مراد نہ ہو۔

(21): عبارت میں موجود کسی لفظ کا مثلاً: اسم اشارہ یا مشار الیہ یا موصوف یا صفت یا فاعل یا مفعول بہ یا جار مجرور کا ترجمہ ہی نہ کرنا جس کی وجہ سے عبارت کا معنی بدل جاتا ہو۔

(22): عبارت میں موجود حرف جر کے معنی کی تعیین کے بغیر ترجمہ شروع کر دینا جس کی وجہ سے عبارت کا معنی بدل جاتا ہو۔ مثلاً: عبارت میں بـــــاء حرف جر نوعیت کے معنی میں استعمال ہو رہی ہو بلا وجہ اس کا سبب والا ترجمہ کرنا جس کی وجہ سے عبارت کا معنی فاسد ہو جاتا ہو۔

(23): بلا وجہ فعل لازم کا متعدی والا اور فعل متعدی کا لازم والا ترجمہ کرنا جس کی وجہ سے عبارت کا مفہوم بدل جاتا ہو، جیسے: لفظ ضَلَّ: کا ترجمہ کرنا: اس نے گمراہ کیا۔
بلا وجہ اس فعل لازم کا ترجمہ متعدی میں کیا گیا ہے جو بالکل غلط ہے کیونکہ یہ متعدی نہیں بلکہ فعل لازم کے قبیل سے ہے اس لئے کہ اس کا سمجھنا مفعول بہ پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ صرف فاعل پر ہی تمام ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے فعل لازم کہا جاتا ہے۔

(24): فعل مضارع کا جہاں حال والا ترجمہ کرنا ضروری ہو وہاں بلا وجہ اس کا مستقبل والا ترجمہ کرنا جس کی وجہ سے عبارت کا معنی ہی فاسد ہو جاتا ہو، جیسے:

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللهُ:

یہاں فعل مضارع کا مستقبل والا ترجمہ کرنا:

اللہ تعالی کو معلوم ہو جائے گا/اللہ تعالی اس کو جان لے گا/اللہ کو اس کا علم ہو کر رہے گا۔

یہ سب ترجمے غلط ہیں کیونکہ یہاں فعل مضارع کا حال والا ترجمہ کیا جائے گا اس لئے کہ اللہ کا علم ازلی ابدی وقدیم ہے، لہذا اس کا دُرست اور معیاری ترجمہ یہ ہے: اللہ اسے پہلے

سے جانتا ہے/اللہ کو اس کا علم ہے/اللہ اسے جانتا ہے۔

(25): جہاں فعل مضارع کا مستقبل والا ترجمہ کرنا مناسب ہو وہاں بلاوجہ اس کا حال والا ترجمہ کرنا جس کی وجہ سے عبارت کا معنی ہی بدل ہو جاتا ہو۔

(26): عبارت میں فعل ماضی استمراری مراد ہو اس کا بلاوجہ ماضی مطلق والا ترجمہ کرنا جس کی وجہ سے عبارت کا معنی بدل جاتا ہو۔

(27): عبارت میں جب اسم نکرہ کے بعد جملہ آئے تو وہاں موصوف صفت والا ترجمہ نہ کرنا جس کی وجہ سے عبارت کا معنی ہی فاسد ہو جاتا ہو، مثلاً:

النوع الثانی: التعليل بمخالفة لا تقدح فی صحة الحديث:

غیر معیاری بامحاورہ ترجمہ:

دوسری قسم یہ ہے کہ مخالفت کی وجہ سے علت بیان کرنا حدیث کی صحت میں ضعف پیدا نہیں کرتا۔

یہ ترجمہ بالکل غلط ہے کیونکہ یہ ترجمہ ترکیب نحوی کے مطابق نہیں ہے اس طرح کہ یہاں **لا تقدح** خبر نہیں بلکہ **مخالفة** کی صفت بن رہا ہے جبکہ مترجم نے صفت والا ترجمہ نہیں کیا بلکہ خبر والا ترجمہ کیا ہے جس کی وجہ سے عبارت کا معنی بالکل بدل گیا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ یہاں **مخالفة** نکرہ کے بعد جملہ آرہا ہے جو نکرہ کی صفت بن رہا ہے جبکہ مذکورہ ترجمہ سے موصوف صفت کا آپس میں معنوی تعلق ظاہر نہیں ہو رہا، لہذا اس عبارت کا دُرست ترجمہ یوں ہوگا:

معیاری بامحاورہ ترجمہ:

دوسری قسم یہ ہے کہ ایسی مخالفت کی وجہ سے علت بیان کرنا جو حدیث کی صحت میں ضعف پیدا نہ کرتی ہو۔

(28): ترجمہ میں بلا وجہ الفاظ کا اضافہ کرنا، مثلاً:

(1): انّ زیداً عالم:

بے شک زید ہی عالم ہے۔

اس ترجمہ میں بلا وجہ لفظ "ہی" کا اضافہ کیا گیا ہے کیونکہ اُردو محاورہ میں لفظ "ہی" حصر کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ متن میں حصر کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسا قرینہ ہے جو حصر کا تقاضا کرتا ہو تو اس قسم کے اضافہ کو حشو و زوائد کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے، لہذا متن کے مفہوم کے مطابق یہ ترجمہ ہوگا:

بے شک زید عالم ہے۔

(2): اَنَا التوّاب الرحیم:

میں بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔

یہاں ترجمہ میں لفظ "اور" لایا گیا ہے جو حرف عطف "و" کا ترجمہ ہے، تو لفظ "اور" نہ صرف بے محل ہے بلکہ متن پر بلا فائدہ اضافہ ہے اور اس کی بلاغت کے منافی ہے کیونکہ نحوی اور بلاغی اصولوں کے مطابق لفظ التواب الرحیم: بالترتیب خبر بعد الخبر ہیں اور خبر بعد الخبر آپس میں موصول نہیں بلکہ مفصول ہوتے ہیں یعنی معطوف و معطوف علیہ نہیں بلکہ مستقل حیثیت کے حامل ہوتے ہیں، دونوں بلا واسطہ مستقل خبر ہیں جس کی وجہ سے ان کے درمیان حرف عطف کا آنا درست نہیں ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے درست معیاری ترجمہ فرمایا:

ترجمہ کنزالایمان: میں ہی ہوں بڑا توبہ قبول فرمانے والا مہربان۔

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوّٰهٌ مُّنِیْبٌ:

ترجمہ کنزالایمان: بیشک ابراہیم تحمّل والا بہت آہیں کرنے والا رجوع لانے والا ہے۔

بعض اوقات اُردو ترجمہ میں دو صفتوں اور خبروں کے درمیان "اور" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ:

ترجمہ کنزالایمان: اور وہی حکمت وعلم والا ہے۔

(29): بلاوجہ اسم ضمیر کا ترجمہ اسم ظاہر میں کرنا یا اسم ظاہر کا ترجمہ اسم ضمیر میں کرنا نحو وبلاغت کے خلاف ہے۔

نوٹ:

جب تک طلبائے کرام کو دُرست معیاری ترجمہ کرنے پر مہارت حاصل نہ ہو تو مشورہ یہ ہے کہ اگر عبارت میں مرجع کی طرف دو یا تین بار ضمیر لوٹائی گئی ہو تو ضمیر کا ترجمہ کرتے وقت دوبارہ مرجع کا بھی ذکر کریں تاکہ عبارت کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو اور متکلم کی مراد واضح ہو جائے اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ آپ خود کس حد تک عبارت سمجھے ہیں۔

(30): بسا اوقات عبارت میں موجود لفظ کے ایک سے زائد معانی ہوتے ہیں تو ترجمہ کرنے سے پہلے موقع محل کے اعتبار سے کسی ایک معنی کی تعیین کرنا ضروری ہے۔ جبکہ بعض

طلبہ کسی ایک معنی مرادی کا تعین کیے بغیر عبارت کا ترجمہ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور اکثر پریشان نظر آتے ہیں۔ اگر ترجمہ کرتے وقت صحیح معنی کا تعین کرلیا جائے تو انہیں عبارت کا ترجمہ کرنے اور عبارت سمجھنے میں پریشانی کا سامنا نہ ہو۔

(31): بعض طلبہ بالکل غلط ترجمہ کرتے ہیں پھر اپنی غلط بات ثابت کرنے کے لئے یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ بامحاورہ ترجمہ کیا ہے، مفہومی ترجمہ کیا ہے، سمجھ میں یہ آرہا ہے، یہ ترجمہ بیٹھ نہیں رہا تھا، بچ نہیں رہا تھا اس وجہ سے ایسا ترجمہ کیا ہے مگر اس طرح کے الفاظ کہہ کر در حقیقت وہ اپنی کمزوریاں چھپا رہے ہوتے ہیں۔

دراصل اس کی چند وجوہات ہوتی ہیں:

(1): خود انہیں بھی بامحاورہ، مفہومی ترجمہ کی تعریف معلوم نہیں ہوتی۔

(2): ترجمہ کرتے وقت کلمہ کی صرفی اور نحوی حیثیت پتہ نہیں ہوتی کہ فعل ماضی ہے یا مضارع، معروف ہے یا مجہول، حاضر کا صیغہ ہے یا غائب کا۔ مطلب یہ کہ فعل، فاعل، مفعول اور صیغوں کی پہچان نہیں ہوتی، مصدر، اسم مصدر، حاصل مصدر، لازم اور متعدی کی پہچان نہیں ہوتی۔

(3): ترجمہ کرتے وقت عبارت کا ترکیبی تعلق معلوم نہیں ہوتا کہ کیا چیز مبتدا یا خبر بن رہی ہے، موصوف، صفت، اضافت، حال، ذوالحال کی پہچان نہیں ہوتی۔

(4): کلماتِ شرط کا لفظی اور معنوی عمل معلوم نہیں ہوتا۔

(5): جملہ اسمیہ، فعلیہ، خبریہ اور انشائیہ کی پہچان نہیں ہوتی۔

(6): کُتب لغت کی مدد سے لفظ کا معنی جاننے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے عبارت میں موجود لفظ کا لغوی معنی (حقیقی

معنی، اصل معنی) سے ترجمہ کیا جائے یا مجازی معنی سے یا لازم معنی سے یا اصطلاحی معنی سے یا شرعی معنی سے یا عرفی معنی سے۔

(7): نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ موقع کی مناسبت سے موصوف صفت، اضافت، فعل ماضی ،مضارع، امر اور نہی کا ترجمہ کتنے طریقوں سے ہوتا ہے۔

(8): نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اسم نکرہ یا اسم معرفہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ ترکیب کلام میں کیا بنتا ہے؟ جار مجرور ظرف لغو ہو کر فعل سے متعلق ہوں گے یا جار مجرور ظرف مستقر ہو کر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر صفت یا حال بنیں گے۔

(9): نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرف قَـدْ جب فعل ماضی یا مضارع پر داخل ہو تو کتنے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور اُردو ادب کے لحاظ سے اس کا کس کس طرح ترجمہ کیا جاتا ہے۔

(10): بعض ترجمہ کرنے میں اتنی جلدی کرتے ہیں کہ ترجمہ کرنے کے اصول و آداب جانے بغیر ہی ترجمہ کرنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ ترجمہ کا بنیادی اصول ہے:

الترجمة تحتَ التركيب / المعنى تحتَ التركيب:

یعنی کلام کی نحوی، صرفی اور بلاغی حیثیت (ترکیبی اور معنوی تعلق) پہچان کر عبارت کا ترجمہ کیا جائے۔



❁❁......چوتھی فصل......❁❁



عبارت اور ترجمہ دُرست کرنے سے متعلق چند اصول وآداب

اگر آپ عبارت اور ترجمہ دُرست کرنا چاہتے ہیں تو عبارت پڑھتے وقت یا ترجمہ کرتے وقت درج ذیل اصول و آداب کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے:

(1): جب تک عبارت میں موجود لفظ اسم، فعل کے فاء، عین اور لام کلمہ کا اعراب یا معنی confirm معلوم نہ ہو تو نہ ہی عبارت پڑھنی چاہیے اور نہ ہی ایسے لفظ کا ترجمہ کرنا چاہیے بلکہ پہلے ایسے لفظ کا اعراب اور معنی معلوم کریں۔

(2): عبارت میں موجود کسی لفظ کا اعراب یا معنی سمجھ نہ آتا ہو تو اس کا اعراب اور معنی لغت سے تلاش کریں۔

(3): اگر عبارت میں کوئی مشکل ترکیب یا مشکل صیغہ ہو تو ایسی ترکیب اور صیغے کو علم نحو وصرف کے مطابق حل کریں۔

(4): عبارت پڑھتے وقت وجوہِ اعراب بھی پتہ ہونا چاہیے کہ رفع، نصب یا جر پڑھنے کی کیا وجہ ہے۔

(5): کسی لفظ کا اعراب یا معنی دیکھنے کے لئے اعلیٰ اور مستند لغت (authentic dictionary) کا سہارا ضرور لینا چاہیے، صرف حافظہ پر کلی بھروسہ کرنا مناسب نہیں کیونکہ اعراب اور معنی کے معاملہ میں عقل نہیں بلکہ نقل درکار ہے۔

جبکہ بعض طلبہ لغت دیکھنے میں سُستی کرتے ہیں اور اپنی عقل سے قیاس آرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس لفظ کا یہ اعراب ہے، اس لفظ کا یہ معنی سمجھ میں آتا ہے جبکہ وہ اعراب یا وہ معنی لغت میں نہیں ملتا۔

(6): لغت میں ایک لفظ کے بہت سے معانی لکھے ہوتے ہیں۔ بعض طلبہ صرف ایک

معنی کولیکر ترجمہ کرتے ہیں جبکہ عبارت میں وہ معنی مراد لینے سے دُرست مطلب نہیں بنتا بلکہ عبارت کا معنی ہی بدل جاتا ہے تو اس صورت میں موقع کی مناسبت اور سیاق وسباق کے اعتبار سے غور وفکر کر کے لفظ کے مختلف معانی میں سے کسی ایک معنی کی تعیین (selection) کریں پھر اس کے مطابق ترجمہ کریں۔

مطلب یہ کہ بعض اوقات بظاہر لفظ کا ترجمہ کرنا بہت آسان معلوم ہوتا ہے لیکن کبھی وہ لفظ دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہو رہا ہوتا ہے، اب عبارت میں کیا معنی مراد ہو سکتے ہیں یہ سیاق وسباق (context) ہی سے واضح ہو سکتا ہے، لہٰذا ترجمے کے وقت اس پر ہوشیاری سے ہاتھ ڈالنا چاہیے۔

(7): ترجمہ کرنے سے پہلے معنوی اعتبار سے لفظ کی حیثیت (status) معلوم کریں کہ عبارت میں موجود لفظ کا لغوی معنی مراد ہے یا اصطلاحی معنی یا مجازی معنی یا لازم معنی یا عرفی معنی، لہٰذا موقع محل کے اعتبار سے کسی ایک معنی کا تعین کریں پھر اس کے مطابق لفظ کا ترجمہ کریں۔

(8): ترجمہ گہری نظر اور حاضر دماغی سے کریں تاکہ لفظوں کے پردے میں چھپے ہوئے معانی بھی آشکار ہو سکیں۔

(9): بلاوجہ اصل عبارت میں کسی طرح کی کمی زیادتی نہ کی جائے، جتنی عبارت ہو اُتنا ہی ترجمہ کیا جائے۔

(10): مترجم کو اپنی جانب سے کسی لفظ کے مفہوم کو حذف کرنے اور اضافہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ورنہ علمی بددیانتی ہوگی، البتہ بریکٹ یا یعنی یا کوئی ایسا انداز اختیار کرنے میں

حرج نہیں جس سے یہ واضح ہو جائے کہ مترجم کا اضافہ ہے، ماتن کی طرف سے یہ کلام نہیں ہے۔

(11): جس عبارت کا ترجمہ کرنا مقصود ہو پہلے ذہن میں اچھی طرح اس کا اصل مفہوم سمجھ لیا جائے پھر اسے لفظوں میں بیان کیا جائے۔

(12): جہاں جملے کا مفہوم سمجھ میں نہ آرہا ہو یا جملہ طویل ہو وہاں جملے کو چھوٹے چھوٹے بامعنی حصّوں میں تقسیم (divide) کر کے ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔

(13): اصل عبارت میں اگر کوئی لفظ محذوف ہے اور اس کے بغیر متکلم کی مراد سمجھنے میں دُشواری پیش آرہی ہو تو ترجمے میں اس محذوف کو ظاہر کر دینا ضروری ہے۔

(14): ترجمہ کرتے وقت اگر کسی جگہ عبارت کی مراد سمجھنے میں دشواری پیش آئے تو ضرورتاً الفاظ کی تقدیم و تاخیر کرنا، کسی حرف کا اضافہ کرنا یا معطوف کے عامل کو دوبارہ ذکر کرنا یا کسی ضمیر کو ظاہر کرنا جائز ہے۔

(15): فصاحت کے حوالہ سے بھی ترجمہ کے تمام الفاظ کا جائزہ لیں کہ الفاظ مشہور الاستعمال ہوں، شیریں ہوں، زبان پر سہل ہوں، ثقیل نہ ہوں۔

(16): ترجمہ کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ زبان کی ساخت کے اعتبار سے جس لفظ یا جملے کا پہلے ذکر کیا جانا ضروری ہے اسے پہلے ذکر کیا جائے اُسے بعد میں ہرگز نہ لایا جائے اور جس لفظ کو بعد میں ذکر کرنا ضروری ہے، اسے بعد میں لایا جائے، پہلے ذکر نہ کیا جائے، مثلاً:

فَخَرَّ عَلَيۡهِمُ السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِم:

لفظی ترجمہ :

تو گرگئی ان پر چھت ان کے اوپر سے۔

اب آپ غور کریں کہ موقع محل (مُقتضَی الحال) کے مطابق حشو وزوائد اور تعقید لفظی ومعنوی سے پاک اس آیت مبارکہ کا معیاری بامحاورہ ترجمہ کیسے کیا جائے جو ویسا ہی مفہوم اور تاثر پیش کرے جو اصل عبارت کو پڑھ کر قاری کے ذہن میں قائم ہوتا ہے، مثلاً:

(1): تو ان کے اوپر سے ان پر چھت گر پڑی۔

(2): پس گر پڑی اُن پر چھت اُن کے اوپر سے۔

(3): پس اُن کے اوپر سے ان پر چھت گر پڑی۔

(4): پھر ان پر اوپر سے چھت گر پڑی۔

(5): ترجمہ کنز الایمان: تو اوپر سے ان پر چھت گر پڑی۔

سَیُؤۡتِینَا اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ وَرَسُوۡلُہٗ:

بعض حضرات نے یوں ترجمہ کیا:

(1): وہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی۔

(2): اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی۔

ان دو ترجموں میں فعل مضارع کا مستقبل والا ترجمہ کیا گیا ہے اور لفظ" بھی " کا اضافہ کیا گیا ہے۔

ترجمہ کنز الایمان: اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول۔

(17): بلاغت کے حوالہ سے بھی ترجمہ شدہ جملہ کا جائزہ لیں کہ آپ کا ترجمہ تعقید لفظی

ومعنوی پر مشتمل نہ ہو۔

(18): ترجمہ محاورتی تعبیر کے مطابق ہو، جیسے:

ذَهَب صديقُه:

اس کا دوست گیا۔ یہ ترجمہ بامحاورہ کہلائے گا۔

اگر زبان کے محاورے سے ہٹ کر اس طرح ترجمہ کیا:

گیا دوست اس کا۔

زبان کے محاورے کے خلاف ہونے کی وجہ سے بے محاورہ اور بے مقصد ترجمہ کہلائے گا۔

(19): کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنی زبان محدود نظر آتی ہے کہ اپنی زبان میں وہ الفاظ نہیں ملتے جنہیں کسی معنی کو ادا کرنے کے لیے ہم ڈھونڈنا چاہتے ہیں ایسی صورت میں مجبوراً کسی قریبی زبان سے لفظ مستعار (ادھار) لیکر اس کے ذریعے ترجمہ کیا جاتا ہے جیسے:

جَوَّال کا ترجمہ موبائل سے کرنا۔

خود اُردو زبان کا اپنا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس عربی لفظ کی ترجمانی کرے تو مجبوراً دوسری زبان کے لفظ سے ترجمہ کرنا پڑا۔

(20): کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ضرورتاً عربی لفظ کا ترجمہ اُسی لفظ سے ہی کیا جاتا ہے جیسے:

الروح کا ترجمہ روح ہی سے کرنا۔

وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں اگر اس کا لفظی ترجمہ کیا جائے تو ترجمہ کی روح ہی فوت ہو جائے گی وہ مفہوم اور تاثر ادا نہیں ہوگا جو اصل لفظ کو پڑھ کر قاری کے ذہن و دِل میں قائم ہوتا ہے۔

(21): کبھی اصل لفظ ہی اتنا عام ہو جاتا ہے کہ اس کا ترجمہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا جیسے:

کتاب کا ترجمہ کتاب سے کرنا۔ قلم کا ترجمہ قلم ہی کرنا۔

(22): ترجمہ کے دوران دونوں زبانوں کی اصطلاحات (Terms) سے بھی واسطہ پڑتا ہے یہ یاد رہے کہ اصطلاحات کا لفظی ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ اصطلاحات کو اصطلاحات کے طور پر ہی سمجھنا چاہیے۔

اصطلاحات سے وہ مخصوص معنی مراد ہوتا ہے جس پر کسی قوم یا کسی جماعت کا اتفاق ہو چکا ہو، لہذا اصطلاحات کے پورے جال سے واقفیت ضروری ہے، مثلاً: عدّت محض ایک لفظ ہے اس کا لفظی معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے وہ مخصوص معنی مراد ہے جس پر فقہائے کرام کا اتفاق ہو چکا ہے۔

اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرے میں زندگی بسر کرنے والا ان پڑھ کسان بھی عدّت کا لفظ سامنے آتے ہی تمام تفصیلات جان لیتا ہے کیونکہ وہ اسی تہذیب میں زندہ ہے جہاں اس اصطلاح نے جنم لیا ہے۔ اس کے مقابلے میں اس اصطلاح سے جاہل شخص کو اس کا معنی سمجھنے کے لیے کئی صفحات کی ضرورت پڑے گی۔

(23): ترجمہ کا اسلوب قابلِ فہم ہونا چاہیے کیونکہ فصاحت وبلاغت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ترجمہ اس طرح کیا جائے کہ بات آسانی سے سمجھ آجائے مگر اس طرح ترجمہ کرنا کہ اصل مراد ومقصود سمجھنے میں بہت تکالیف اٹھانی پڑے تو ایسا ترجمہ غیر معیاری ترجمہ کہلاتا ہے۔

(24): ترجمے کے وقت اس مفہوم اور تاثر کو ادا کرنا ضروری ہے جو اصل کو پڑھ کر قاری

کے ذہن میں قائم ہوتا ہے، اگر دُرست مفہوم ادا نہیں ہو رہا تو یہ ترجمے اور اصل دونوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔

(25): جس شدّت کے ساتھ مصنّف یا شاعر نے اپنے خیالات احساسات، جذبات اور کیفیات پیش کی ہیں تقریباً وہی بات مِنُ وعَنُ (as it is) ترجمے میں بھی آنی چاہیے۔ اگر ترجمے میں ہم ایسا کرنے سے قاصر رہے تو بلاشبہ وہ صحت مند ترجمہ نہیں ہوگا۔ اس کے لیے ہم ایسے الفاظ کا انتخاب کریں جو ویسا ہی مفہوم ادا کریں جیسا کہ ماتن چاہتا ہے۔

(26): ایک زبان سے دوسری زبان میں وہی شخص صحیح ترجمہ کر سکتا ہے جسے دونوں زبانوں پر مکمل قدرت (command) حاصل ہو۔ اپنی اور دوسری زبان کے علمی، ادبی اور تہذیبی پس منظر (cultural and literary background) سے واقف ہو۔ زبان کے مزاج، ادب اور اس کی قومی تہذیب کو پہچانتا ہو۔ زبان کے روزمرہ استعمال کئے جانے والے الفاظ، تعبیرات سے واقف ہو۔ نئے خیالات کے اظہار کے لیے نئے الفاظ، تعبیرات جانتا ہو۔



پانچویں فصل



مختلف اعتبارات سے لفظ کا ترجمہ کرنے کے بارے میں

اسے سمجھنے کے لیے چند تعریفات کا جاننا ضروری ہے:

لغوی معنی کی تعریف:

جس معنی کے لئے لفظ کو وضع کیا گیا ہو/اصل وضع کے اعتبار سے لفظ کا جو معنی ہو ایسے معنی کو لغوی معنی، اصل معنی اور حقیقی معنی بھی کہا جاتا ہے۔

نوٹ:

لغت کا لغوی معنی ہے: زبان(language))/بولی۔ یعنی ایسی آوازیں جن کے ذریعے ہر قوم اپنے اغراض ومقاصد بیان کرے، اور علم لغت کی اصطلاح میں لغت وہ علم ہے جس سے کسی زبان کے مفردات کے معنی وضعی اور طریقہ استعمال معلوم ہو۔

یہ یاد رہے کہ ہر لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں ان میں سے ایک لغوی معنی ہوتا ہے جو عام طور پر وہی معنی ہوتا ہے جس میں لفظ کو وضع ہونے کے بعد ابتدائی طور پر استعمال کیا گیا ہو۔ اس کو وضعی معنی یا لفظی معنی یا اصلی معنی اور حقیقی معنی بھی کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی لفظ کے کچھ دیگر معانی ہوتے ہیں۔

اصطلاحی معنی کی تعریف:

جس معنی کے ساتھ کوئی مخصوص گروہ کسی لفظ کو خاص کر دے تو وہ معنی اس لفظ کا اصطلاحی معنی کہلاتا ہے۔

وضاحت:

جب کسی لفظ سے ایک مخصوص معنی مراد لینے پر کسی گروہ یا جماعت کا اتفاق ہو جائے کہ جب بھی وہ لفظ بولیں تو اس سے مخصوص معنی مراد لیتے ہوں تو وہ معنی اس لفظ کا اصطلاحی معنی کہلاتا ہے۔

شرعی معنی کی تعریف:

جس معنی کے لئے شارع کسی لفظ کو خاص کردے تو وہ معنی اس لفظ کا شرعی معنی کہلاتا ہے۔

نوٹ:

اصطلاحی معنی کو حقیقی معنی بھی کہا جاسکتا ہے اس اعتبار سے کہ اصطلاحی معنی اہلِ اصطلاح کے نزدیک حقیقت ہی ہوتا ہے۔تو گویا حقیقی معنی عام ہے اس کا اطلاق لغوی معنی (اصل معنی) پر بھی ہوتا ہے اور اصطلاحی معنی پر بھی یعنی لغوی معنی کو بھی حقیقی معنی کہا جاسکتا ہے اور اصطلاحی معنی کو بھی۔

مجازی معنی کی تعریف:

وہ کلمہ جو اپنے لغوی معنی میں استعمال نہ ہو (یعنی جس معنی کے لئے لفظ کو وضع کیا گیا ہو اُس معنی میں استعمال نہ ہو) اور اُس کا اپنا لغوی معنی مراد نہ ہونے پر کوئی قرینہ بھی موجود ہو تو ایسے معنی کو مجازی معنی کہا جاتا ہے۔

لازم معنی کی تعریف:

حقیقت و مجاز کے درمیان لزوم کا علاقہ ہو یعنی ملزوم بول کر لازم معنی مراد لیا گیا ہو تو ایسے معنی کو لازم معنی کہا جاتا ہے اور مجازی معنی بھی کہا جاسکتا ہے۔

مرادی معنی:

جس لفظ سے جو معنی (لغوی، اصطلاحی، شرعی، مجازی یا لازم معنی) متکلم کا مقصود ہو وہ معنی مرادی معنی کہلاتا ہے۔

ترجمہ کے دو اہم اصول وآداب:

(1): بسا اوقات لغت میں ایک لفظ کے مختلف معانی ملتے ہیں لہذا سیاق وسباق کے اعتبار سے کسی ایک معنی کا تعین کیا جائے جسے مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی ومفہوم بن رہا ہو، مثلاً:

إذَا امتدَّ الجنونُ صار لزوم الأداء يُؤَدِّي إلى الحرج:

لغت میں امتد کے مختلف معانی ہیں: پھیلنا، دراز ہونا، لمبا ہونا، کھنچنا۔

تو یہاں دراز ہونا معنی مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہے جو اس جگہ کے بالکل مناسب ہے، لہذا اب اس عبارت کا ترجمہ ہوگا:

جب جنون دراز ہو جائے تو اداء کو لازم کرنا حرج کی طرف لے جائے گا۔

كَانَّ الْمُرْسِلَ اَطْلَقَ السندَ ولَمْ يَصِلْه:

لغت میں اَطْلَقَ کے مختلف معانی ہیں: آزاد کرنا، چھوڑنا، مطلق رکھنا۔

اور لغت میں یَصِل کے بھی مختلف معانی ہیں: ملانا، جوڑنا، صلہ رحمی کرنا، بھلائی کرنا، پہنچنا۔

تو یہاں اَطْلَقَ کا چھوڑنا یا مطلق رکھنا اور یَصِل کا ملانا معنی مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہے جو اس جگہ کے مناسب ہے، لہذا اب اس عبارت کا ترجمہ ہوگا: گویا ارسال کرنے والا راوی سند کو چھوڑ دیتا ہے یا مطلق رکھتا ہے اور اسے ملاتا نہیں ہے۔

مَن أطاعَ أَبَوَيهِ فِيما فِيهِ مَعصِيةٌ يُعْتَبَرُ عاصِيًا:

لغت میں یُعتبَرُ کے مختلف معانی ملتے ہیں:

پرکھنا، جانچنا، اعتبار کرنا، قدر کرنا، اہمیت دینا، سمجھنا، شمار کرنا۔

تو یہاں یُعْتَبَرُ کا شمار کرنا یا سمجھنا معنی مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بن

رہا ہے جو اس جگہ کے مناسب ہے، لہذا اب اس عبارت کا ترجمہ ہوگا: جس نے گناہ کی بات میں اپنے والدین کی اطاعت کی تو وہ گنہگار شمار ہوگا / گنہگار سمجھا جائے گا۔

(2):

موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے ایک لفظ کا ترجمہ مختلف اعتبارات سے کیا جاتا ہے، لہذا ترجمہ کرتے وقت موقع محل کے اعتبار سے لفظ کے کسی ایک ایسے معنی کا تعین کیا جائے جسے مراد لینے کی صورت میں متکلم کے مقصود پر دلالت ہو رہی ہو پھر اسی معنی کے مطابق لفظ کا ترجمہ کیا جائے کیونکہ ترجمہ کا اصول ہے کہ ہر جگہ لفظ کا وہ ہی معنی مراد لینا چاہیے جو موقع محل کے اعتبار سے اس جگہ کے مناسب ہو۔

وضاحت:

بعض اوقات لفظ کا لغوی معنی (اصل معنی، حقیقی معنی) مراد نہیں ہوتا بلکہ لفظ کا مجازی یا اصطلاحی یا عرفی یا لازم معنی مقصود ہوتا ہے اور اس کی پہچان میں ذراسی غلطی عبارت کے معنی کو بالکل بدل کر رکھ دیتی ہے۔ لہذا خوب غور وفکر کر کے لفظ کے کسی ایک معنی کا تعین کیا جائے پھر اسی معنی سے لفظ کا ترجمہ کیا جائے۔

مگر یہ خیال رہے کہ جب تک لفظ سے اس کا لغوی معنی (حقیقی معنی، اصل معنی) مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہو اور اصل کلام کے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو رہی ہو تو پھر لفظ کے لغوی معنی (اصل معنی) سے ہی ترجمہ کیا جائے گا۔ ہاں اگر لفظ کا لغوی معنی (اصل معنی، حقیقی معنی) مراد لینے کی صورت میں عبارت کا معنی ومفہوم دُرست نہ بن رہا ہو تو پھر اس صورت میں موقع محل کے اعتبار سے لفظ کے مجازی معنی یا اصطلاحی معنی یا شرعی

معنی یا عرفی معنی یا لازم معنی سے ترجمہ کیا جائے گا۔

مختلف اعتبارات سے ترجمہ کرنے کی صورتیں

(1): لغوی معنی :

بسااوقات عبارت میں موجود لفظ کا اپنا لغوی معنی (اصل معنی، حقیقی معنی) مراد ہوتا ہے تو اس صورت میں لفظ کا لغوی معنی سے ترجمہ کیا جائے گا۔

هذا قلَمٌ حديث:

یہاں لفظ حدیث کا لغوی معنی مراد ہے اس کا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے، لہذا اب اس عبارت کا ترجمہ ہوگا:

یہ ایک نیا (جدید) قلم ہے۔

مالِكِ يومِ الدِّيْن:

الدِّيْن: اس کا لغوی معنی ہے: بدلہ، جزاء۔ اور اس کا اصطلاحی معنی ہے: دِین، اسلام۔

یہاں لفظ الدِّیْن سے اس کا لغوی معنی مراد ہے کیونکہ اصطلاحی معنی مراد لینے کی صورت میں کوئی دُرست معنی نہیں بنے گا بلکہ عبارت کا معنی ہی بدل جائے گا، لہذا یہاں اس کے لغوی معنی سے یوں ترجمہ کیا جائے گا: یومِ جزاء کا مالک۔

نوٹ:

جہاں عبارت میں لفظ کا لغوی معنی مراد ہو ایسی جگہ اگر کسی نے اس کے اصطلاحی معنی یا مجازی معنی سے ترجمہ کیا تو ایسا ترجمہ بالکل غلط ترجمہ کہلائے گا بلکہ ایسا ترجمہ ترجمہ کہلانے کے ہی لائق نہیں ہوگا۔

(2): اصطلاحی معنی:

بسا اوقات عبارت میں موجود لفظ کا لغوی معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہوتا ہے تو اس صورت میں لفظ کا اصطلاحی معنی سے ترجمہ کیا جائے گا۔

قَرَأتُ الحدیثَ الشریف:

اس عبارت کا ترجمہ کرنے سے پہلے اس بات کا فیصلہ کیا جائے کہ یہاں لفظ: الحدیث کا لغوی معنی مراد ہے یا اصطلاحی معنی؟ قرینہ اور سیاق وسباق سے یہ واضح ہے کہ یہاں متکلم کا مقصود لفظ: الحدیث کا لغوی معنی نہیں بلکہ اس کا اصطلاحی معنی ہے۔ چونکہ لغوی معنی مراد لینے کی صورت میں متکلم کے مقصود پر دلالت نہیں ہوگی۔ لہذا ایسے موقع پر اصطلاحی معنی سے یوں ترجمہ کیا جائے گا: میں نے حدیث پاک پڑھی۔

لفظ حدیث محدثین کے نزدیک ایک اصطلاح ہے جب لفظ حدیث بولتے ہیں تو اس سے ایک مخصوص معنی مراد لیتے ہیں۔

اَقِیْمُوا الصلاۃَ:

یہاں الصلاۃ اپنے لغوی معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ لغوی معنی مراد لینے کی صورت میں کوئی دُرست معنی نہیں بنے گا بلکہ عبارت کا معنی ہی فاسد ہو جائے گا، لہذا یہاں اس کے اصطلاحی معنی سے یوں ترجمہ کیا جائے گا: نماز قائم کرو۔

آیات:

لغوی معنی ہے: نشانیاں۔ اور اس کا اصطلاحی معنی ہے: آیات۔

قرآن کریم میں یہ لفظ ان دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

الایمان:

لغوی معنی ہے: ماننا، امن میں دینا۔ اور اس کا اصطلاحی معنی ہے: ایمان لانا یعنی اصطلاح شریعت میں عقائد (ضروریاتِ دین) کو ماننے کا نام ایمان ہے۔ اور لفظ ایمان کبھی اپنے لغوی معنی میں اور کبھی اصطلاحی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

الکفر:

لغوی معنی ہے: انکار کرنا، چھپانا، مٹانا۔ اصطلاحی معنی ہے: کافر ہونا/ کفر کرنا۔ بعض جگہ اس کا لغوی معنی مراد لیا گیا ہے اور بعض مقامات پر اس کا اصطلاحی معنی مراد ہے۔

الاسلام:

اس کا لغوی معنی ہے: فرماں بردار ہونا، اطاعت کرنا، سرِتسلیم خم کرنا۔ اس کا اصطلاحی معنی ہے: اسلام لانا/اسلام قبول کرنا۔ قرآن میں یہ لفظ ان دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

نوٹ:

جہاں عبارت میں لفظ کا اصطلاحی معنی مراد ہو ایسی جگہ اگر کسی نے اس کے لغوی معنی یا مجازی معنی سے ترجمہ کیا تو ایسا ترجمہ بالکل غلط ترجمہ کہلائے گا بلکہ ایسا ترجمہ ترجمہ کہلانے کے ہی لائق نہیں ہوگا۔

(3): شرعی اورعرفی معنی:

بسا اوقات عبارت میں موجود لفظ کا لغوی معنی یا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ اس کا شرعی یا عرفی معنی مراد ہوتا ہے تو ایسے موقع پر ترجمہ کرتے وقت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اور اس کی پہچان میں ذرا سی غفلت کرنے سے عبارت کا معنی ہی بدل جاتا ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: قرآن کریم میں لفظ نذر بہت جگہ

استعمال ہوا ہے، نذر کے لغوی معنی ہیں: ڈرانا یا ڈر سنانا۔ اس کے شرعی معنی ہیں: منت ماننا یعنی غیر لازم عبادت کو اپنے پر لازم کر لینا۔ اور اس کے عرفی معنی ہیں: نذرانہ و ہدیہ پیش کرنا۔ یعنی کسی بزرگ کو کوئی چیز، ہدیہ، نذرانہ، تحفہ پیش کرنا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ ان تینوں معانی میں استعمال ہوا ہے، (علم القرآن، ص118، مکتبۃ المدینہ)۔

(4): مجازی معنی:

بسا اوقات عبارت میں موجود لفظ کا لغوی معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ مجازی معنی مراد ہوتا ہے کیونکہ لغوی معنی سے ترجمہ کرنے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی نہیں بنتا بلکہ عبارت کا معنی و مفہوم ہی بدل جاتا ہے جبکہ مجازی معنی مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی و مفہوم بن رہا ہوتا ہے، لہذا ایسے موقع پر ترجمہ کے وقت احتیاط سے کام لینا چاہیے اور اس کی پہچان میں ذرا سی غلطی عبارت کا معنی ہی بدل کر رکھ دیتی ہے۔

مثالوں کے ذریعے وضاحت

(1): ماتَ حتفَ اَنفِه:

اس عبارت کا لغوی معنی ہے: وہ اپنی ناک کی موت مر گیا۔

اس عبارت کا مجازی معنی ہے: وہ اپنی طبعی موت مر گیا۔

مگر یہاں اس عبارت (حتُفَ انُفـــه) کا حقیقی معنی/لغوی معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مجازی معنی مراد ہے۔ یعنی متکلم اس کلام کے ذریعے یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس کی موت قتل، حادثہ یا بیماری کے سبب نہیں ہوئی بلکہ وہ اپنی طبعی موت مر گیا یعنی کسی ظاہری سبب یا مرض کے بغیر اس کا انتقال ہو گیا۔

اگر ایسے موقع پر کوئی اس کا لغوی معنی سے ترجمہ کرے تو ایسا ترجمہ بالکل بے معنی، بے حقیقت تعبیر اور غیر معیاری ترجمہ ہوگا۔

(2):شَمَّرَ عَنْ ساعِدِہ:

اس عبارت کا لغوی معنی (حقیقی معنی) ہے: اس نے اپنے بازو سے کپڑا سمیٹ لیا/اس نے آستین چڑھالی۔

اس عبارت کا مجازی معنی ہے: اس نے کام کا ارادہ کرلیا/ اس نے عزم مصمم کیا/اس نے کمر کس لی/وہ تیار ہوگیا۔

عام طور پر اس عبارت کا حقیقی معنی/لغوی معنی مراد نہیں بلکہ اس کا مجازی معنی مراد ہوتا ہے تو ایسے موقع پر اگر کوئی شخص اس عبارت کا لغوی معنی سے ترجمہ کرے: اس نے اپنے بازو سے کپڑا سمیٹ لیا۔ تو ترجمہ بالکل بے معنی ہو جائے گا۔

اور اگر لغوی معنی سے یوں ترجمہ کیا: اس نے آستین چڑھالی۔ تو معنی کچھ کا کچھ ہو جائے گا کیونکہ اُردو زبان میں آستین چڑھانے کا معنی ہے: مرنے مارنے پر آمادہ ہوگیا۔ جیسا کہ ہم کہتے ہیں: فلاں شخص آستین چڑھا کر میدان میں آ گیا۔

اسی وجہ سے: شَمَّرَ عن ساعِدہ: کا لغوی معنی سے ترجمہ نہیں کیا جائے گا بلکہ سیاق وسباق اور موقع محل کے اعتبار سے مجازی معنی سے ترجمہ کیا جائے گا۔

(3):اَدَارَ ظَهْرَہ لِلْفِكْر و العَقْل:

اس کا لغوی معنی ہے: اس نے فکر و عقل کے لئے اپنی پیٹھ کو پھیر دیا/ گھمایا۔

اس کا مجازی معنی ہے: اس نے فکر و عقل سے منہ موڑ لیا/سوچ و بچار کرنا چھوڑ دیا۔

اگر آپ نے اس عبارت کا لغوی معنی سے ترجمہ کیا تو معنی بالکل اُلٹ ہو جائے گا اور متکلم کی مراد ظاہر نہیں ہوگی۔

(4):قَدْ بدَتِ البَغضَاءُ مِنْ اَفواهِهم:

اس عبارت کا لغوی معنی ہے:ان کے منہ سے بغض ظاہر ہو چکا۔

اور اس کا مجازی معنی ہے:ان کی باتوں سے بغض ظاہر ہو چکا۔

تو یہاں لغوی معنی مراد لینے کی صورت میں معنی دُرست نہیں ہوگا جبکہ مجازی معنی مراد لینے کی صورت میں دُرست معنی بن رہا ہے،لہذا یہاں اس کے مجازی معنی سے ترجمہ کیا جائے گا اور علاقہ مجاز یہ ہے کہ یہاں سبب اَفواہ بول کر مُسَبَّب(باتیں) مراد لیا ہے۔

(5):تَذْهَب رِيُحُكُم:

اس عبارت کا لغوی معنی ہے:تمہاری ہوا چلی جائے گی۔

اس کا مجازی معنی ہے:تمہاری طاقت کم ہو جائے گی/اثر ورسوخ کم ہو جائے گا۔

(6):يَد:

اس کا لغوی معنی ہے:ہاتھ یعنی یہ ایک مخصوص عضو کا نام ہے۔

اور کبھی یہ مجازاً نعمت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔بلاغت کی اصطلاح میں اس کو کہیں گے کہ یہاں سبب بول کر مُسَبَّب مراد لیا ہے۔مسبب کہتے ہیں اس چیز کو جو کسی سبب کے واسطہ سے حاصل ہو۔تو نعمتوں کا حاصل ہونا مسبب ہے اور نعمتوں کے حاصل ہونے کا سبب ہاتھ ہے کہ عام طور پر ہاتھوں کا استعمال کرنے کے سبب سے نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

(7): خاطر:

اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کا لغوی معنی ہے: دل میں آنے والی بات / وہ بات جو دل میں گزرے۔ اس کا مجازی معنی ہے: ذہن، عقل، دل۔

(5): لازم معنی:

بسا اوقات عبارت میں موجود لفظ کا حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ لازم معنی مراد ہوتا ہے کیونکہ حقیقی معنی سے ترجمہ کرنے کی صورت میں عبارت کا کوئی دُرست معنی نہیں بنتا بلکہ عبارت کا مطلب ہی بدل جاتا ہے جبکہ لازم معنی سے ترجمہ کرنے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی ومفہوم بن رہا ہوتا ہے، لہذا ایسے موقع پر لازم معنی سے ترجمہ کیا جائے گا۔

نوٹ: لازم معنی بھی درحقیقت مجاز ہی ہے کیونکہ اس پر بھی مجاز کی تعریف صادق آتی ہے صرف وضاحت کے لئے اسے الگ سے ذکر کیا گیا ہے۔

(1): نَسُوا اللهَ فَنَسِيَهُمْ:

نسیان کا لغوی معنی (حقیقی معنی) ہے: بھولنا جو یاد کی ضد ہے۔

اس کا لازم معنی ہے: چھوڑنا۔ کیونکہ بھولنے کو چھوڑنا لازم ہے۔ نسیان کے یہ دونوں معنی لغت میں موجود ہیں۔

اگر کوئی اس آیت میں نسیان کا حقیقی معنی مراد لے اور اس آیت کا یوں ترجمہ کرے:

وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ ان کو بھول گیا / انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو بھلا دیا۔

اس ترجمہ میں اللہ تعالی کی طرف نسیان کی نسبت کی گئی ہے جبکہ اللہ تعالی کی شان یہ ہے کہ وہ نسیان سے پاک ہے۔ تو یہاں نسیان کا بھولنا معنی مراد لینا بالکل غلط ہے۔ جبکہ نسیان کا لازم معنی مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہے جو اس جگہ کے بالکل

ناسب ہے،لہذا لازم معنی سے یوں ترجمہ ہوگا:

وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا۔

(2):مفعول ما لَمْ يُسَمَّ فاعِلُه:

يُسَمَّى: کا لغوی معنی (حقیقی معنی، اصل معنی) ہے: نام رکھنا۔

اور اس کا لازم معنی (مجازی معنی) ہے: ذکر کرنا۔ کیونکہ نام رکھنے کو ذکر کرنا لازم ہے۔

يُسَمّ یہاں يُذْكَر کے معنی میں ہے کیونکہ یہاں اس کا لغوی معنی سے ترجمہ کرنے کی صورت میں عبارت کا کوئی دُرست معنی نہیں بن رہا جبکہ اس کا لازم معنی مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہے تو یہاں ذِكْر ملزوم، اِرادہ لازم کے قاعدے کے تحت ملزوم (يُسَمّى) بول کر اس کا لازم معنی (يُذْكَر) مراد لیا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اس عبارت کا لازم معنی سے اس طرح ترجمہ کیا جائے گا: ایسا مفعول جس کا فاعل مذکور نہ ہو / ایسا مفعول جس کا فاعل ذکر نہ کیا گیا ہو۔

(3):جَمَدَ زید:

اس کا لغوی معنی (حقیقی معنی) ہے: زید خشک ہوگیا/ منجمد ہوگیا۔

اور اس کا لازم معنی (مجازی معنی) ہے: زید بے حس بنا رہا۔ کیونکہ منجمد ہونے کو بے حس ہونا لازم ہے۔

(4):كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ:

خروج کا لغوی معنی (حقیقی معنی) ہے: نکلنا۔

اور اس کا لازم معنی (مجازی معنی) ہے: ظاہر ہونا۔ کیونکہ نکلنے کو ظاہر ہونا لازم ہے۔

ترجمہ کنز الایمان: تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئی۔

(6): ہم معنی مترادِف (SYNONYM) الفاظ:

بعض اوقات عبارت میں موجود لفظ کا ہم معنی مترادف (SYNONYM) لفظ کے ساتھ ترجمہ کرنے سے ترجمہ حسین اور عبارت کا معنی ومفہوم واضح ہو جاتا ہے مثلاً:

بِکُلِّ ما یُسْتَطاع:

جس قدر ہو سکے / جس قدر ممکن ہو / ہر ممکن طریقے سے / جس طرح بن پڑے۔

ان تمام الفاظ کا معنی ایک ہی ہے۔ یعنی ہم معنی مترادف (SYNONYM) الفاظ ہیں لیکن تمام الفاظ آپس میں مُرادِفہ ہونے کے باوجود داخلاً (فی نفسہ) اپنا ایک جُدا جُدا مفہوم رکھتے ہیں اور موقع کی مناسبت سے ان کے استعمال میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس عبارت کا ترجمہ ہر جگہ ایک ہی طریقے سے کیا جائے۔

لہٰذا جس جگہ جس تعبیر (الفاظ) کے ساتھ ترجمہ کرنا زیادہ خوبصورت معلوم ہو وہاں اُسی تعبیر کے ساتھ ترجمہ کیا جائے۔

تنبیہ:

کسی بھی لفظ کا ترجمہ کرنے سے پہلے اس بات کا تعین کیا جائے کہ موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے عبارت میں موجود لفظ کا لغوی معنی یا اصطلاحی یا مجازی یا لازم معنی مراد ہے؟ اور ان میں سے کونسا معنی مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بنے گا لہٰذا خاص طور پر اس بات کا خیال رکھ کر لفظ کا ترجمہ کیا جائے جبکہ بعض طلباء کی اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی، ان چیزوں کو سمجھے بغیر ہی ترجمہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

✿✿✿✿✿

چھٹی فصل



ایک جملہ کا ایک سے زیادہ مختلف تعبیرات میں ترجمہ کرنے کے بارے میں

اسے سمجھنے کے لیے ترجمہ کے اس اصول کا جاننا ضروری ہے:

ترجمہ کرتے وقت موقع محل اور شخصیت کو دیکھ کر الفاظ کا انتخاب کیا جائے، جیسا موقع محل ہو اور جیسی شخصیت ہو اس کے لئے ویسے ہی الفاظ استعمال کئے جائیں۔ مطلب یہ کہ بعض اوقات موقع محل اور شخصیت کے اعتبار سے ایک ہی عبارت کا ترجمہ مختلف الفاظ وتعبیرات سے کیا جاتا ہے اگر چہ ان تمام الفاظ وتعبیرات کا معنی ومفہوم ایک ہی ہوتا ہے مگر ان کے استعمال میں فرق ہوتا ہے اور یہ فرق وہ ہی محسوس کر سکتا ہے جو ذوقِ سلیم رکھتا ہو۔

نوٹ:

ترجمہ کرتے وقت اتنی صلاحیت ہو کہ آپ پہچان سکیں کہ موقع محل اور شخصیت کے اعتبار سے کس تعبیر کے ساتھ ترجمہ کرنا زیادہ بہتر ہو گا اور کونسے الفاظ کا انتخاب کرنے سے بہترین انداز میں موقع محل کی عکاسی ہو گی اور متکلم کے جذبات ومقصود پر دلالت ہو گی۔

شرح:

کسی بھی عبارت کا ترجمہ کرنے سے پہلے معنوی اعتبار سے اِن چار صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا تعین کرنا ضروری ہے:

(1): آپ ترجمہ میں سادہ عام سطح کی تعبیرات استعمال کرنا چاہتے ہیں جن کے ذریعے کوئی خاص دوسرا معنی ادا کرنا مقصود نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ سامنے والے شخص کے ادب واحترام اور تذلیل وتحقیر سے قطع نظر آپ simple صرف عبارت کا معنی ومفہوم ادا کرنا چاہتے ہیں۔

(2): یا آپ ایسی تعبیرات ومحاورات استعمال کرنا چاہتے ہیں جن میں ذلت وحقارت

کارنگ بھی نمایاں ہو۔یعنی عبارت کا معنی ومفہوم بتانے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے ذریعے نفرت وحقارت کا اظہار بھی کرنا چاہتے ہیں۔

(3):یاایسے الفاظ وتعبیرات استعمال کرنی ہیں جن میں ادب واحترام کا پہلو بھی نمایاں ہو۔یعنی عبارت کا معنی ومفہوم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے ذریعے ادب واحترام کا بھی اظہار کرنا چاہتے ہیں۔

(4):یاعبارت کا ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے ذریعے کسی خاص واقعہ یا حادثہ کی طرف اشارہ کرنا بھی مقصود ہے۔

نوٹ:

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ایک ہی لفظ کا ترجمہ کرنے کے لئے موقع محل اور شخصیت کے اعتبار سے جُدا جُدا الفاظ وتعبیرات کا انتخاب کیا جاتا ہے، مطلب یہ کہ ایک لفظ کا ترجمہ ایک جگہ کچھ کرتے ہیں اور دوسری جگہ کچھ اور حالانکہ اس لفظ کا لغوی معنی ایک ہی ہوتا ہے مگر ہر مقام کے مناسب جدا جدا الفاظ وتعبیرات سے ترجمہ کیا جاتا ہے جس سے متکلم کی اصل مراد، جذبات اور احساسات سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

مثالیں:

مات زید:

اُردو زبان میں موقع محل (مُقتَضَی الحَال) کے اعتبار سے مختلف تعبیرات میں اس عبارت کا ترجمہ کیا جاسکتا ہے:

زید مر گیا، زید فوت ہوگیا، زید ہلاک ہوگیا، زید لقمہ اجل بن گیا، زید کا انتقال ہوگیا، زید انتقال فرماگئے، زید کی وفات ہوگئی، زید رخصت ہوگئے، زید اب ہم میں نہیں رہے، زید اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

ان تمام الفاظ وتعبیرات کا معنی ومفہوم ایک ہی ہے کہ زید کی موت واقع ہوگئی۔

مگر موقع محل اور شخصیت کے اعتبار سے ان تعبیرات کے استعمال میں فرق ہے، ایسا نہیں

ہے کہ ان میں سے ہر تعبیر ہر موقع پر یا ہر شخص کے لئے استعمال کی جائے۔

یہ تعبیرات ومُحاورات چار قسم کے ہیں:

(1): ان میں کچھ تعبیرات عام سطح کی ہیں جو عام لوگوں کے لئے استعمال ہوتی ہیں، لہذا اگر زید کا عام لوگوں میں شمار ہوتا ہے اور ترجمہ کرنے والا simple صرف عبارت کا معنی ومفہوم ادا کرنا چاہتا ہے، الفاظ کے ذریعے کوئی خاص دوسرا معنی ادا کرنا مقصود نہیں ہے تو اس صورت میں ترجمہ میں عام سطح کی تعبیرات استعمال کی جائیں گی مثلاً:

زید مر گیا/ زید فوت ہو گیا/ زید کا انتقال ہو گیا/ زید کی وفات ہو گئی۔

(2): اور اگر زید کی موت واقع ہو گئی ہو اور اس کا شمار دشمنوں میں ہوتا ہو اور مترجم الفاظ کے ذریعے زید کی تذلیل وتحقیر کرنا بھی چاہتا ہو تو پھر اس جملہ کا ترجمہ کرتے وقت ایسی تعبیر استعمال کی جائے جس کے ذریعے ذلت وحقارت کا بھی اظہار ہو سکے، مثلاً اس عبارت کا یوں ترجمہ کریں گے:

زید ہلاک ہو گیا/ زید نیست ونابود ہو گیا۔

(3): ان میں کچھ تعبیرات حادثاتی موت کو بیان کرنے کے لئے ہیں کہ اگر زید کسی حادثاتی موت کے سبب مرا ہے اور ادب واحترام اور تذلیل وتحقیر سے قطع نظر آپ عبارت کا معنی ادا کرنے کے ساتھ ساتھ حادثاتی موت کا بھی اظہار کرنا چاہتے ہو تو پھر اس جملہ کا ترجمہ کرتے وقت ایسی تعبیر استعمال کی جائے جس سے حادثاتی موت کا مفہوم ظاہر ہو، لہذا اس صورت میں عبارت کا یوں ترجمہ ہو گا:

زید لقمہ اجل بن گیا۔

(4): کچھ تعبیرات ومحاورات میں ادب واحترام کا پہلو نمایاں ہے جو حسب مراتب الگ الگ مواقع اور شخصیات کے لئے استعمال ہوتی ہیں، لہذا اگر زید کا شخصیات (معزز لوگوں) میں شمار ہوتا ہو اور ترجمہ کرنے والا الفاظ وتعبیر کے ذریعے ادب واحترام کا مفہوم بھی

ادا کرنا چاہتا ہو تو پھر اس جملہ کا ترجمہ کرتے وقت ایسی تعبیر استعمال کی جائے جس کے ذریعے ادب واحترام کا اظہار ہوتا ہو، لہذا اس صورت میں عبارت کا یوں ترجمہ کریں گے، مثلاً:

زید رخصت ہو گئے ، زید اب ہم میں نہیں رہے ، زید اپنے خالق حقیقی سے جا ملے زید انتقال فرما گئے۔

نوٹ:

اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں کچھ تعبیرات عام سطح کی ہیں، کسی میں ادب واحترام کا پہلو نمایا ہے اور کسی میں ذلت وحقارت کا رنگ ہے، جیسا کہ اہل زبان اپنی زبان کے ادب کے گہرے مطالعے کے ذریعے اس نزاکت کو سمجھ سکتا ہے۔

يَنَامُ مَلْءَ جُفُونِه:

گہری نیند کا اظہار کرنے کے لئے عربی زبان میں ينَامُ مَلْءَ جفُونِه جملہ استعمال کرتے ہیں، اگر آپ اپنے سے چھوٹے کے بارے میں کہیں:

يَنَامُ مَلْءَ جفُونِه:

تو یہاں ترجمہ کرتے وقت مخاطَب اور موقع محل کے اعتبار سے عام سطح کی تعبیرات (الفاظ) ومحاورات استعمال کئے جا سکتے ہیں، مثلاً اس کا ترجمہ اس طرح ہو سکتا ہے:

زید گھوڑے بیچ کر سو رہا ہے۔

اور اگر یہ ہی جملہ استاذ صاحب یا کسی معزز شخص کے بارے میں استعمال کریں:

يَنَامُ مَلْءَ جفُونِه:

آپ نے اس عبارت کا یوں ترجمہ کیا:

وہ استاذ گھوڑے بیچ کر سو رہا ہے۔

تو اس ترجمہ میں نہ صرف یہ کہ بے ادبی ہے بلکہ زبان پر آپ کے قادر نہ ہونے کی دلیل بھی ہے۔ لہذا موقع محل اور شخصیت کے اعتبار سے اس کا ترجمہ کرتے وقت ایسی تعبیرات ومحاورات استعمال کئے جائیں جن میں ادب واحترام کا پہلو بھی نمایا ہو، مثلاً یہاں مخاطَب کے

اعتبار سے اس کا ترجمہ اس طرح کریں گے:

وہ گہری نیند میں سو رہے ہیں/ وہ محوِ خواب ہیں۔

نوٹ:

ان تمام تعبیرات ومحاورات کا معنی ومفہوم اور مراد اگرچہ ایک ہی ہے، مگر موقع محل اور شخصیت کے اعتبار سے ان تعبیرات کے استعمال میں فرق ہے، ایسا نہیں ہے کہ ان میں سے ہر ترجمہ ہر موقع پر یا ہر شخص کے لئے استعمال ہو سکے۔ لہذا جیسا موقع محل ہوگا اور جیسی شخصیت ہوگی، بامُحاورہ، مفہومی یا تشریحی ترجمہ کرتے وقت ویسی ہی تعبیر استعمال کی جائے گی۔

نظرتُ الی زید:

میں نے زید کو دیکھا/ مجھے زید نظر آیا/ میں نے زید کی طرف نظر کی۔ ان تمام تعبیرات ومحاورات کا معنی ومفہوم اور مراد اگرچہ ایک ہی ہے۔ مگر موقع محل کے اعتبار سے ان تعبیرات کے استعمال میں فرق ہے، لہذا جیسا موقع محل ہوگا وہاں ویسی ہی تعبیر استعمال کی جائے گی۔

سَلاَ یَسْلُو:

موقع محل کے اعتبار سے اس کا ترجمہ اِن مختلف الفاظ وتعبیرات میں کیا جا سکتا ہے:

فراموش کرنا/ بے تعلق ہو جانا/ بے تعلقی اختیار کرنا/ دوستی ترک کرنا۔

ان سب تعبیرات ومحاورات کا معنی ومفہوم اور مراد بھی ایک ہی ہے۔ مگر موقع محل کے اعتبار سے ان تعبیرات کے استعمال میں فرق ہے۔ لہذا ترجمہ کرتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ موقع کی مناسبت سے کونسی تعبیر (الفاظ) کے ساتھ ترجمہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔

مطلب یہ کہ موقع کی مناسبت سے ایسی تعبیر کے ساتھ ترجمہ کیا جائے جو اس مفہوم

اور تاثر کو ادا کرے جو اصل کو پڑھ کر قاری کے ذہن میں قائم ہوتا ہے اور جس شدّت کے ساتھ مصنف یا متکلم نے اپنے خیالات، احساسات، جذبات اور کیفیات پیش کی ہیں تقریباً وہی بات مِنُ وعَنُ (as it is) ترجمے میں بھی آنی چاہیے۔ اگر ترجمے میں ہم ایسا کرنے سے قاصر رہے تو بلاشبہ وہ صحت مند ترجمہ نہیں ہوگا۔

کُنتُ خائِفاً:

موقع کی مناسبت سے اس عبارت کا ترجمہ اِن مختلف الفاظ وتعبیرات میں کیا جاتا ہے:

مجھے خوف تھا/ میں خوفزدہ تھا/ مجھے خطرہ تھا/ مجھے خدشہ لاحق تھا/ مجھے ڈر تھا/ میں ڈر رہا تھا۔

ان سب الفاظ کا معنی ومفہوم اگرچہ ایک ہی ہے مگر موقع محل کے اعتبار سے ان تعبیرات کے استعمال میں فرق ہے اور ذوق سلیم کے ذریعے ہی یہ فرق محسوس ہوسکتا ہے، اُردو ادب پر آپ کی جتنی گہری نظر ہوگی اُتنا ہی زیادہ مختلف تعبیرات میں عبارت کا معیاری ادبی ترجمہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

یُسَمَّی خبَراً:

موقع کی مناسبت سے اس عبارت کا ترجمہ اِن مختلف الفاظ وتعبیرات میں کیا جاتا ہے:

اسے خبر کا نام دیا جاتا ہے/ اس کا نام خبر رکھا جاتا ہے/ اسے خبر کہا جاتا ہے/ اسے خبر کہتے ہیں/ اس کا نام خبر ہے/ اسے خبر سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اِن تمام الفاظ وتعبیرات کا معنی ومفہوم اگرچہ ایک ہی ہے۔ مگر موقع محل کے اعتبار سے ان تعبیرات کے استعمال میں بھی فرق ہے، ایسا نہیں ہے کہ ان میں سے ہر ترجمہ، ہر تعبیر ہر موقع پر استعمال ہو سکے۔ جیسا کہ اہل زبان، اہلِ ذوق اپنی زبان کے ادب کے گہرے مطالعے کے ذریعے اس نزاکت کو سمجھ سکتا ہے۔

بکُلِّ ما یُستَطاع:

موقع محل کے اعتبار سے اس عبارت کا بھی مختلف تعبیرات میں ترجمہ کر سکتے ہیں، مثلاً:

جس قدر ہو سکے / جس قدر ممکن ہو / ہر ممکن طریقے سے / جس طرح بن پڑے۔

اِن تمام الفاظ وتعبیرات کا معنی اگر چہ ایک ہی ہے۔ مگر موقع کی مناسبت سے ان تعبیرات کے استعمال میں بھی فرق ہے، ایسا نہیں ہے کہ اس عبارت کا ترجمہ ہر جگہ ایک ہی طریقے سے کیا جائے۔ لہذا جس جگہ جس تعبیر (الفاظ) کے ساتھ ترجمہ کرنا زیادہ خوبصورت معلوم ہو وہاں اُسی تعبیر کے ساتھ ترجمہ کیا جائے۔

یکون ذِکرُہ جدیداً:

موقع کی مناسبت سے اس عبارت کا بھی مختلف تعبیرات میں ترجمہ ہوسکتا ہے، **مثلاً**:

اس کی یاد نئی رہے گی / اس کی یاد ہر دم تازہ رہے گی / اس کی یاد کبھی ختم نہیں ہوگی۔

جبکہ بعض طلباء یہ سمجھتے ہیں کہ ایک عبارت کا ترجمہ ہر جگہ ایک ہی طریقے سے ہوتا ہے ایسا بالکل نہیں ہے بلکہ موقع کی مناسبت سے ایسے الفاظ کے ساتھ ترجمہ کریں جو ویسا ہی مفہوم ادا کریں جیسا کہ متکلم چاہتا ہے اوراس کے جذبات، احساسات کی بہترین انداز میں ترجمانی کریں۔

غریب الوطن:

موقع محل کے اعتبار سے اس کا مختلف الفاظ کے ساتھ ترجمہ ہوتا ہے لہذا جیسا موقع محل ہوگا وہاں ویسی ہی تعبیر استعمال کریں گے، مثلاً:

مسافر / اجنبی / پردیسی۔

یُرِیدُ:

موقع کی مناسبت سے اس کا بھی مختلف الفاظ کے ساتھ ترجمہ کریں گے، مثلاً:

ارادہ کرنا / چاہنا / پسند کرنا۔

لہذا ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ کہاں کس تعبیر کے ساتھ ترجمہ کرنا بہتر ہے۔

يَطْلُب:

موقع کی مناسبت سے اس کا ترجمہ اِن جُدا جدا الفاظ وتعبیرات میں کیا جاتا ہے:

طلب کرنا/ حاصل کرنا/ چاہنا/ مانگنا۔

لہذا موقع محل کے اعتبار سے کسی ایک تعبیر کا انتخاب کریں پھر اس کے ساتھ ترجمہ کریں۔

سَأَلَ:

موقع محل کے اعتبار سے اس کا بھی مختلف تعبیرات کے ساتھ ترجمہ کرتے ہیں، مثلاً:

سوال کرنا/ مانگنا/ پوچھنا/ رہنمائی چاہنا۔

لہذا ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ کس جگہ کونسی تعبیر استعمال کرنا مناسب ہے۔

مَنْهَل:

یہ اسم ظرف کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے: پانی پینے کی جگہ۔

مگر الگ الگ جگہ کے اعتبار سے مختلف الفاظ وتعبیرات میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ موقع کی مناسبت سے کبھی اس کا ترجمہ کرتے ہیں: گھاٹ اور کبھی: چشمہ اور کبھی: کنواں۔ کیونکہ یہ سب پانی پینے کی جگہیں ہیں اور ان سب کا معنی ومفہوم ایک ہی ہے مگر ان کے استعمال میں فرق ہے لہذا جیسا موقع محل ہوگا اس کے لئے وہاں ویسے ہی الفاظ استعمال کئے جائیں گے۔

مقام:

یہ اسم ظرف کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے: کھڑا ہونے کی جگہ۔ مگر موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے محاورتی تعبیر کے مطابق مختلف الفاظ وتعبیرات میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ موقع کی مناسبت سے کبھی اس کا ترجمہ کرتے ہیں: منصب، کبھی مرتبہ، کبھی حیثیت، کبھی پوزیشن اور کبھی مقام۔ ان سب کا معنی ومفہوم ایک ہی ہے مگر ان کے استعمال

میں فرق ہے لہذا جیسا موقع محل ہوگا اس کے لئے ویسے ہی الفاظ استعمال کئے جائیں گے۔

مُرٌّ:

صفت مشبہ کا صیغہ ہے، موقع محل کے اعتبار سے محاورتی تعبیر کے مطابق مختلف الفاظ وتعبیرات میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے:

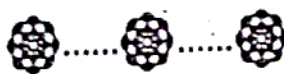
تلخ/ کڑوا/بدذائقہ۔

موقع کی مناسبت سے جو تعبیر زیادہ مناسب معلوم ہو اسی تعبیر کے مطابق اس لفظ کا ترجمہ کیا جائے۔

نوٹ:

موقع محل اور شخصیت کے اعتبار سے ایک لفظ کا مختلف الفاظ وتعبیرات میں ترجمہ کرنے کی صلاحیت اسی وقت پیدا ہوگی جب ادب، فصاحت وبلاغت پر نظر ہوگی، ادب کی گہرائی کو سمجھتے ہوں گے۔

اُردو زبان میں غلط ترجمہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ترجمہ کرنے والا اُردو تو بولتا ہے مگر اردو ادب سے ناواقف ہوتا ہے، لہذا ترجمہ کرنے سے پہلے ہمیں تھوڑی توجہ اُردو ادب سیکھنے پر بھی دینی چاہیے۔



ساتویں فصل



لغت کا تعارف

لغت میں معنی دیکھنے کا طریقہ اور لغوی وصرفی تحقیق بیان کرنے کا طریقہ

لغت کا لغوی معنی:

لغت کا لغوی معنی ہے: زبان (language))/بولی۔ یعنی ایسی آوازیں جن کے ذریعہ ہر قوم اپنے اغراض ومقاصد بیان کرے۔

لغت کا اصطلاحی معنی:

اور علم لغت کی اصطلاح میں لغت وہ علم ہے جس سے کسی زبان کے مفردات کے معنی وضعی اور طریقہ استعمال معلوم ہو۔

نوٹ:

بعض اوقات کلام یا جملہ یا آیت میں لفظ کا لغوی معنی مدنظر نہیں ہوتا بلکہ لفظ کا وہ معنی مدنظر ہوتا ہے جو بولنے والے نے مراد لیا ہے۔

یہ یاد رہے کہ ہر لفظ کا ایک لغوی معنی ہوتا ہے مگر اس کے علاوہ بھی لفظ کے کچھ دیگر معانی ہوتے ہیں۔ یعنی ہر لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے:

(1): لفظ کا لغوی معنی: یہ وہی معنی ہوتا ہے جس میں لفظ کو وضع ہونے کے بعد ابتدائی طور پر استعمال کیا گیا ہو۔ اس کو وضعی معنی، لفظی معنی، اصلی معنی اور حقیقی معنی بھی کہتے ہیں۔

فائدہ:

بسا اوقات لغوی معنی میں زمانے کے گزرنے کے ساتھ ترقی اور وسعت آتی جاتی ہے۔ مثلاً جب لفظ وجود میں آیا تب ممکن ہے کہ اس لفظ کا ایک ہی معنی ہو، اس کے معنی میں وسعت نہ ہو، لیکن بعد میں اس کے معنی میں وسعت پیدا ہو گئی ہو۔

السراج:

قدیم زمانے میں دیے اور چراغ کو سراج کہتے تھے۔ اس دور میں روشنی دینے والے بس یہی وسائل تھے۔ بعد میں مزید وسائل ایجاد ہوتے رہے اور ایک ہدف اور مقصد کے پیش نظر ان تمام وسائل کا یہی نام پڑتا چلا گیا، اس کو معنی کی ترقی کہتے ہیں۔

(2): لفظ کا اصطلاحی معنی: اس سے مراد وہ معنی ہوتا ہے جو کسی علم وفن نے لیا ہے یا بولنے والے نے لفظ کو جس خاص معنی میں استعمال کیا ہے اس خاص معنی کو اصطلاحی معنی کہتے ہیں۔

(3): لفظ کا مجازی معنی۔

(4): لفظ کا لازم معنی۔

(5): لفظ کا شرعی معنی۔

(6): لفظ کا عرفی معنی۔

(7): لفظ کا مُترادف معنی۔

وضاحت:

کسی بھی لفظ کا معنی جاننے کے لیے ہر زبان میں لغت وقاموس لکھی گئی ہیں جسے انگلش میں ڈکشنری کہتے ہیں۔ لغت وڈکشنری کے ذریعے ہم لفظ کے معنی تک پہنچتے ہیں۔

لغت /ڈکشنری کا هدف:

ڈکشنری کا ہدف عام طور پر لفظ کا لغوی معنی بیان کرنا ہوتا ہے مگر بسا اوقات لغوی معنی کے ساتھ ساتھ، اصطلاحی معنی، مجازی معنی، لازم معنی، شرعی معنی یا مترادف معنی بھی مذکور ہوتا ہے۔ مگر واضح طور پر صراحت نہیں ہوتی کہ یہ لغوی معنی ہے یا مجازی معنی یا لازم معنی یا اصطلاحی معنی یا عرفی معنی، موقع کی مناسبت سے اس کا فیصلہ آپ کو خود کرنا ہوگا۔

لغت کی قسمیں:

ترجمہ کے لیے لغت بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے ذریعے لفظ کا معنی جاننے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ عربی زبان کے حوالے سے لغت کی دو قسمیں ہیں:

(1): عام لغت۔ (2): قرآنی لغت۔

عام لغت عربی زبان کے تمام الفاظ سے بحث کرتی ہے جبکہ قرآنی لغت کا تعلق صرف ان الفاظ سے ہوتا ہے جو قرآنِ مجید میں استعمال ہوئے ہوں۔

ضروری نہیں کہ قرآنِ مجید میں عربی کے تمام الفاظ ہی مستعمل ہوں، اس لیے لغتِ قرآنی کا موضوع محدود ہے۔یعنی صرف ان الفاظ کے معانی کی وضاحت کرنا مقصود ہے جوقرآن میں وارد ہوئے ہیں۔عام قدیم لغات میں کتاب العین ،لسان العرب،تاج العروس اور قاموس بہت شہرت کی حامل کتابیں ہیں۔

اگر چہ لغت کی عام کتابوں سے بھی قرآنی الفاظ کے معانی معلوم کیے جاسکتے ہیں، تاہم خاص قرآنی الفاظ کے حوالے سے بھی اہل علم نے مستقل کتابیں لکھیں جن کو **"قرآنی لغات"** کہا جاتا ہے۔

اس موضوع پر دستیاب قدیم ترین کتاب علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو مفرداتِ امام راغب کے نام سے معروف ہے اس کتاب کو علامہ جلال الدین سیوطی نے اہم ترین کتاب قرار دیا ہے۔اس کا پورا نام "المُفردات فی غرائب القرآن" ہے۔

مشورہ: لفظ کا معنیٰ دیکھنے کے لیے مندرجہ ذیل عربی لغات استعمال فرمائیں:

(1):معجم المعانی.

(2):المعجم الوسیط.

(3):معجم مقاییس اللغة: اس میں عربی لفظ کے اصلی اور حقیقی معنیٰ کا بیان ہے۔گویا یہ عربی زبان کی پہلی لغت ہے جس میں ایک لفظ کے اصلی معنیٰ تک رسائی کی کوشش کی گئی ہے۔

لغت میں معنی دیکھنے کا طریقہ:

لغت میں معنیٰ دیکھتے وقت ان چند چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(1):لفظ کا معنیٰ دیکھنے کے لیے یا ترجمہ کرنے کے لیے سب سے پہلے صیغہ کا تعین کرنا ضروری ہے کہ یہ کلمہ کونسا صیغہ ہے اور اصل صیغہ کے مطابق لفظ کا کیا معنیٰ بنتا ہے، لہذا جب تک صیغہ اور مادہ اصلی معلوم نہ ہو اس وقت تک لفظ کا درست معنیٰ نہیں کیا جا سکتا۔

ترجمہ میں کمزوری کا سبب:

بعض طلبہ کو صیغہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کلمہ کونسا صیغہ ہے جس کی وجہ سے درست اور معیاری ترجمہ کرنے میں غلطی کرتے ہیں کیونکہ صیغہ کا تعین میں خطاء کرنے سے معنی میں خطاء ہوگی اور اگر معنی میں خطاء ہوتو حقیقت کو جاننے میں خطاء ہوگی۔

(2): اصلی مادہ سے الفاظ تشکیل دینا "علم الاشتقاق" کہلاتا ہے۔ لہذا لغت میں معنی دیکھنے کے لیے اشتقاق کا علم ہونا ضروری ہے کہ لفظ کا اصل مادہ کیا ہے۔

بعض اوقات دو الفاظ کی شکل وصورت یکساں ہوتی ہے لیکن مادہ کے اختلاف کی وجہ سے معنی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مثلاً:

المسیح:

السیاحۃ سے بھی مشتق ہوسکتا ہے اور المسح سے بھی مفعول کا صیغہ ہوسکتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ المسیح کا معنی متعین کرنے کیلئے اصل مادہ کا معلوم اور متعین ہونا ضروری ہے۔

(3): اس کے بعد یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ عبارت میں موجود لفظ کا لغوی معنی کیا ہے اور عبارت میں موجود لفظ کس معنی میں استعمال ہورہا ہے: لغوی معنی میں یا مجازی معنی میں یا لازم معنی میں یا اصطلاحی معنی میں یا عُرفی معنی میں؟

نوٹ:

ترجمہ کرتے وقت لفظ کا لغوی معنی جاننا کافی نہیں ہوتا بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی جانا جائے کہ بولنے والے نے لفظ بول کر صرف لغوی معنی مراد لیا ہے یا لغوی معنی سے ہٹ کر کوئی اور معنی یعنی اصطلاحی معنی، مجازی معنی، لازم معنی یا شرعی معنی مراد لیا ہے۔ متکلم نے لفظ بول کر جو معنی مراد لیا ہے ہمیں بس وہی معنی مراد لینا چاہیے اور اسی کے مطابق لفظ کا ترجمہ کرنا چاہیے۔

مثلاً: الصلاۃ:

اس کا لغوی معنی دعا یا درود کے ہیں۔ لیکن متعدد قرآنی آیات میں الصلاۃ سے مراد نماز ہے یعنی اپنے اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ وہاں لفظ کا لغوی معنی نہیں۔ بلکہ اس کا اصطلاحی معنی مراد لیا گیا ہے۔

(4): اگر عبارت میں کوئی فعل کسی خاص حرف جر کے صلہ کے ساتھ استعمال ہو تو لغت میں معنی تلاش کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ لغت میں اُسی حرف جر کے ساتھ فعل کا جو معنی موجود ہو وہی مراد لیا جائے۔

(5): مصدر، حاصل مصدر، اسم جامد اور صفت مشبہ کے درمیان فرق معلوم ہونا چاہیے پھر اسی کے مطابق لغت سے معنی تلاش کیا جائے۔

(6): ہم معنی الفاظ کو مُترادِفات (SYNONYM) کہا جاتا ہے اور یہ تمام الفاظ آپس میں مُرادِفہ ہونے کے باوجود داخلاً اپنا ایک جُدا جُدا مفہوم رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے استعمال میں بھی فرق ہوتا ہے۔

ترجمہ کرتے وقت اس طرف توجہ ہونی چاہیے کہ بسا اوقات لُغت میں لفظ کا ایک معنی تو موجود ہوتا ہے مگر اس کا ہم معنی مُترادِف لفظ موجود نہیں ہوتا وہ آپ کو خود تلاش کرنا ہوگا کہ اس کے ہم معنی مترادِف (SYNONYM) الفاظ کیا کیا ہو سکتے ہیں۔

کیونکہ بعض اوقات عبارت میں موجود لفظ کا ہم معنی مترادف لفظ کے ساتھ ترجمہ کرنے سے ترجمہ حسین اور عبارت کا معنی و مفہوم واضح ہو جاتا ہے مثلاً:

حذر:

اس کا لغوی معنی ہے: بچنا، جبکہ اس کے ہم معنی مترادِف (SYNONYM) الفاظ ہیں: چوکنا ہونا، ڈرنا محتاط ہونا۔ یہ تمام الفاظ آپس میں مُرادِفہ ہونے کے باوجود داخلاً اپنا ایک جُدا

جُدا مفہوم رکھتے ہیں اوران کے استعمال میں بھی فرق ہوتا ہے۔
اب ترجمہ کرتے وقت موقع محل کے اعتبار سے ان مختلف الفاظ میں سے اس لفظ کا انتخاب کریں جو اس جگہ کے بالکل مناسب ہو۔

لغوی وصرفی تحقیق بیان کرنے کا طریقہ

سب سے پہلے یہ جانیے کہ تحقیق کا معنی کیا ہے؟
تحقیق کا لغوی معنی:
تحقیق باب تفعیل کا مصدر ہے۔جس کا معنی ہے: چھان بین کرنا/ تفتیش کرنا/ حقیقت کو ثابت کرنا/اصلیت کو معلوم کرنا
تحقیق کا اصطلاحی معنی:
کسی امر کی شکل پوشیدہ یا مبہم ہو تو اس کی اصلی شکل کو دریافت کرنا کہ کسی قسم کا ابہام نہ رہے تحقیق کہلاتا ہے
لغوی اور صرفی تحقیق بیان کرتے وقت اِن امور کا خیال رکھا جائے:
(1):سب سے پہلے "سہ اقسام" کے اعتبار سے کلمہ کا تعین کیا جائے یعنی اسم یا فعل یا حرف ہونے کی نشاندہی کی جائے مثلاً:
اگر اسم ہے تو اسم کی کونسی قسم ہے؟ مصدر ہے تو مصدر کی کونسی قسم ہے؟ اسم مشتق ہے تو اسم مشتق کی کونسی قسم ہے؟ اگر فعل ہے تو کونسا فعل ہے؟

(2):اس کے بعد صیغہ، واحد اور جمع کی نشاندہی کی جائے۔

(3):اس کے بعد باب کا تعین اور اصل مادہ کی وضاحت کی جائے۔

(4):اس کے بعد "شش اقسام" کے اعتبار سے کلمہ کا تعین کیا جائے کہ ثلاثی مجرد ہے یا ثلاثی مزید فیہ؟

(5):اس کے بعد "ہفت اقسام" کے اعتبار سے کلمہ کا تعین کیا جائے۔

(6): اس کے بعد اس بات کی وضاحت کی جائے کہ متکلم نے لفظ بول کر لغوی معنی مراد لیا ہے یا لغوی معنی سے ہٹ کر کوئی اور معنی یعنی اصطلاحی معنی، مجازی معنی، لازم معنی یا شرعی معنی یا مترادف معنی مراد لیا ہے۔

مثالوں کے ذریعے وضاحت :

اللّٰهُم اعْصِمْنا مِن حصَائِدِ الالسِنَة:

اعْصِمْنا:

(1): فعل امر حاضر صیغہ واحد مذکر حاضر۔

(2): ثلاثی مجرد متعدی باب ضرب، صحیح۔

(3): اس کے حروف اصلیہ ہیں: ع ص م، اور لغت میں عصم کا لغوی معنی ہے:
بچانا/ روکنا/ حفاظت کرنا/ محفوظ رکھنا۔ یہ سب آپس میں ہم معنی مترادِف الفاظ ہیں۔
مگر اس کے باوجود داخلاً اپنا ایک جُدا جُدا مفہوم رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے استعمال میں بھی فرق ہے۔ اب موقع کی مناسبت سے ان میں سے کسی مناسب لفظ کے ساتھ اس کا ترجمہ کریں گے مثلاً:

اے اللہ ہماری حفاظت فرما/ ہمیں محفوظ رکھ/ ہمیں بچا

حصَائِد:

(1): حصَائِد: حصیدة کی جمع ہے اور حصیدة بروزن: فعیلة بمعنیٰ اسم مفعول ہے۔

(2): ثلاثی مجرد متعدی باب نصر، صحیح۔

(3): اس کا مادہ اصلی ہے: ح ص د، اور صیغہ کے مطابق اس کا لغوی معنی ہے:
کاٹی ہوئی/ کٹی ہوئی چیز۔

اس کا مجازی معنی ہے:: بُری باتیں/ بیہودہ باتیں/ فضول باتیں/ بے فائدہ کلام۔
متکلم نے اس کے لغوی معنی سے ہٹ کر اس کا مجازی معنی مراد لیا ہے لہذا اب ترجمہ ہوگا:

اے اللہ زبان کی بری باتوں سے ہماری حفاظت فرما۔

هذا بُغيَتي:

(1): بُغيَة: اصل میں یہ مصدر / مصدر معلوم / مصدر صریح / مصدر اصلی ہے۔

(2): یہ "بغَی" کا مصدر ہے، ثلاثی مجرد متعدی، باب ضرب، ناقص یائی۔

(3): اس کے حروف اصلیہ ہیں: ب غ ي، اوراس کا لغوی معنی ہے:

چاہنا / خواہش کرنا / طلب کرنا / پسند کرنا۔

(4): مگر یہاں بُغيَة: مصدر: اسم مفعول کے معنی میں ہے لہذا اس اعتبار سے اب اس عبارت کا معنی ہوگا:

یہ میرا مطلوب / مقصود / خواہش ہے۔

ربُّ العالَمِين:

(1): العالَمِين: اسم آلہ جمع کا صیغہ ہے۔

(2): ثلاثی مجرد متعدی، صحیح۔

(3): اس کا مادہ اصلی ہے: ع ل م، اس سے مشتق ہے، صیغہ کے مطابق لغوی معنی ہے:

ہر وہ چیز جو کسی دوسری شے کو جاننے کا ذریعہ ہو / جاننے کا آلہ۔

(4): اس کا مجازی معنی ہے: کائنات / جہاں / مخلوق / دنیا۔ یعنی اللہ کے سوا جو بھی شے ہے مجازاً اسے بھی عالَم کہا جاتا ہے۔ یہاں اس کا مجازی معنی مراد ہے۔

المَحشَر:

(1): المَحشَر: اسم ظرف کا صیغہ ہے۔

(2): ثلاثی مجرد متعدی، صحیح۔

(3): اس کا مادہ اصلی ح ش ر ہے لہذا: حشر سے اسم ظرف ہے، صیغہ کے مطابق لغوی معنی ہے: جمع کرنے کی جگہ / اکٹھا کرنے کی جگہ۔

(4): اس کا مجازی معنی ہے: میدانِ حشر / میدانِ قیامت۔

الكلمة لفظ وُضع:

(1):اللفظ: مصدر/ مصدر اصلی/ مصدر صریح ہے۔

(2):ثلاثی مجرد متعدی، صحیح۔

(3):اس کا مادہ اصلی: ل ف ظ ہے، اس کا لغوی معنی ہے: نکالنا/ پھینکنا اور یہاں مصدر بمعنی اسم مفعول ہے، لہذا اب لفظ کا لغوی معنی ہوگا: یعنی نکالی ہوئی چیز/ پھینکی ہوئی چیز۔
اور اس کا اصطلاحی معنی ہے: منہ سے نکالی یا ادا کی گئی بات/ منہ سے نکلنے والی بات۔

(4):مگر یہاں متکلم نے لفظ بول کر اس کا لغوی معنی مراد نہیں لیا بلکہ اس کا اصطلاحی معنی مراد لیا ہے۔ جیسا کہ قرینہ سے واضح ہے۔

الشرُع:

(1):الشرعُ: مصدر/ مصدر اصلی/ مصدر معلوم ہے۔

(2):ثلاثی مجرد متعدی، صحیح۔

(3):اس کا مادہ اصلی: ش ر ع ہے، اس کا لغوی معنی ہے: راستہ بنانا/ ضابطہ وقانون بنانا اور یہاں مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔ لہذا اب اس کا لغوی معنی ہوگا: بنایا گیا راستہ یا طریقہ / وہ ضابطہ وقانون جو بنایا گیا ہو۔

اس کا اصطلاحی معنی ہے:

اسلامی قانون/ اللہ کا مقرر کردہ راستہ/ اللہ کے مقرر کیے ہوئے احکام کا مجموعہ۔

اس اصطلاحی معنی کے ہم معنی مترادف الفاظ ہیں: شریعت/ مذہب اسلام/ دین۔

يحتوى على هَزُل القول:

هَزُل:

(1):هَزْلُ: مصدر/ مصدر اصلی/ مصدر صریح ہے۔

(2):ثلاثی مجرد متعدی، صحیح۔

(3):اس کا مادہ اصلی: ہ ز ل ہے، اس کا لغوی معنی ہے:مذاق کرنا/ غیر سنجیدہ بات کرنا/ غیر سنجیدہ ہونا۔

اوراس کے ہم معنی مترادف لفظ ہے: مزاحیہ ہونا۔

(4):مگر یہاں مصدر بمعنی اسم فاعل ہے۔لہذا اس اعتبار سے یہ اضافت :اضافة الصفة الی الموصوف کے باب سے ہے۔اب اس اضافت کا موصوف صفت والا ترجمہ ہوگا: غیر سنجیدہ بات/ مزاحیہ بات۔

اَبُعَدتَنِی المَترَبةُ:

المَترَبة:

(1):المَترَبةُ: مصدر میمی ہے۔

(2): ثلاثی مجرد، لازم، صحیح۔

(3):اس کا مادہ اصلی:ت ر ب ہے، اس کا لغوی معنی ہے:مٹی لگ جانا/ غبار آلود ہونا۔

اوراس کا مجازی معنی ہے:

محتاج ہونا/ تنگ دست ہونا/ تنگ حال ہونا/ غریب ہونا/ مفلس ہونا۔

(4):مگر متکلم نے اس کا لغوی معنی مراد نہیں لیا بلکہ اس کا مجازی معنی مراد لیا ہے لہذا یہاں مجازی معنی سے ترجمہ کریں گے۔دوسرا یہ کہ یہاں حاصل مصدر والا ترجمہ کرنا مناسب ہے:

مجھے تنگ دستی/ تنگ حالی/ غربت/ مفلسی نے دور کردیا۔

التجارة:

(1):التجارةُ: مصدر/ مصدر اصلی/ مصدر معلوم ہے۔

(2): ثلاثی مجرد متعدی، صحیح۔

(3):اس کا مادہ اصلی:ت ج ر ہے، اس کا لغوی معنی ہے:خرید وفروخت کرنا/ تجارت کرنا/ سوداگری کرنا۔

اگر حاصل مصدر مراد لیں پھر معنی ہوگا:

خرید وفروخت / تجارت کا پیشہ / سوداگری۔

نوٹ:

ثلاثی مجرد کا جو مصدر :فِعَالة: کے وزن پر ہوتا ہے وہ حِرفة: پیشہ / ہنر کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔

السيرة:

(1): السیرۃُ: حاصل مصدر ہے۔

(2): ثلاثی مجرد، اجوف یائی۔

(3): اس کا مادہ اصلی: س ي ر ہے، اس کا لغوی معنی ہے:

خاص چال چلن / چلنے کا خاص طریقہ۔

اس کا اصطلاحی معنی ہے: حالات زندگی / سوانح عمری / طرز زندگی۔

نوٹ:

ثلاثی مجرد کا جو مصدر فِعْلة کے وزن پر ہوتا ہے وہ فعل کی خاص نوعیت پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ:

فعل ثلاثی مجرد کے کچھ مصادر وہ ہیں جو ایک خاص معنی پر دلالت کرتے ہیں جیسے:

(1): ثلاثی مجرد کا جو مصدر :فُعْلَة کے وزن پر ہوتا ہے وہ لون یعنی رنگ کے معنی پر دلالت کرتا ہے جیسے:

صُفرة:

اگر حاصل مصدر مراد لیں تو پھر اس کا معنی ہوگا:

زردی / پیلا پن۔

(2): ثلاثی مجرد کا جو مصدر :فَعِيل کے وزن پر ہوتا ہے وہ چلنے / ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے یا آواز کے معنی پر دلالت کرتا ہے جیسے:

رحيل:

اگر مصدر / مصدر معلوم / مصدر اصلی مراد لیں تو پھر اس کا معنی ہوگا:
روانہ ہونا / کوچ کرنا / سفر کرنا۔

صھیل:
اگر مصدر / مصدر معلوم / مصدر اصلی مراد لیں تو پھر اس کا معنی ہوگا:
گھوڑے کا ہنہنانا۔

(3): ثلاثی مجرد کا جو مصدر: فُعَال کے وزن پر ہوتا ہے وہ ظاہری یا باطنی بیماری یا خرابی یا عیب والے معنی پر دلالت کرتا ہے جیسے:

سُعَال:
اگر مصدر / مصدر معلوم / مصدر اصلی مراد لیں تو پھر اس کا معنی ہوگا:
کھانسنا / کھانسی کا مریض ہونا۔

(4): ثلاثی مجرد کا جو مصدر: فَعَلان کے وزن پر ہوتا ہے وہ حرکت / تبدیلی / گردش / اُتار چڑھاؤ / بے چینی / پریشانی / تردد کے معنی پر دلالت کرتا ہے جیسے:

طَیران:
اڑنا / پرواز کرنا / پھیلنا۔

(5): ثلاثی مجرد کا جو مصدر: فَعْل / فُعُولۃ / فَعَالۃ / فُعُول کے وزن پر ہوتا ہے عموماً کسی خاص معنی پر دلالت نہیں کرتا۔



۔۔۔۔۔آٹھویں فصل۔۔۔۔۔



اسم کی تعریف اوراس کی اقسام کے بارے میں

عبارت میں جب کوئی اسم استعمال ہوتو ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ اسم ہے تواسم کی کونسی قسم ہےاور کس معنی پر دلالت کرتا ہے۔

اسم کی تعریف:

ایسا کلمہ جو بذات خود ایک ایسے معنی پر دلالت کرے جس میں ماضی، حال اور مستقبل میں سے کوئی زمانہ نہ پایا جاتا ہو اسم کہلاتا ہے۔

مدلول (معنی) پردلالت کرنے کے اعتبار سے اسم کی اقسام

معنی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے اسم کی دو قسمیں ہیں:

(1): اسم جنس (2): اسم علم۔

اسم جنس کی تعریف :

ایسا اسم جو جنس کے تمام افراد پر بولا جائے یعنی ایسا اسم جو واحد و جمع سب پر بولا جاتا ہو اسے اسم جنس کہا جاتا ہے۔

اسم جنس کی قسمیں:

(1): اسم جنس جمعی (2): اسم جنس فردی۔

(1): اسم جنس جمعی یعنی ایسا جو مِن حیث المجموع جنس کے سب افراد پر بولا جاتا ہو، جیسے: ماء، تمر۔

(2): اسم جنس فردی یعنی ایسا اسم جو علی سبیل البدلیۃ جنس کے سب افراد پر بولا جاتا ہو، جیسے: رجُل۔

نوٹ:

اسم کی ایک قسم اسم جمع ہے، اس کی بہت ساری تعریفات کی گئی ہیں۔ جن میں لفظوں کی تعبیر کا فرق ہے تاہم مفہوم اور مدعا تقریبا سب کا قریب قریب ہے۔ چند تعریفات آپ کے

سامنے پیش کی جاتی ہیں:

(1): ایسا اسم جو جمع کے معنی پر دلالت کرے لیکن کسی صرفی قاعدے کے تحت جمع کے وزن پر نہ ہو۔

(2): ایسا اسم جو بظاہر صورت میں واحد معلوم ہوتا ہو لیکن حقیقت میں جمع کا مفہوم ادا کرتا ہو۔

(3): ایسا اسم جس میں جمع والا معنی پایا جاتا ہو مگر اس کا کوئی مفرد نہ ہو (یعنی اس لفظ سے اس کا کوئی واحد نہ ہو)۔

(4): ایسا اسم جس میں جمع کی علامت تو نہ ہو لیکن جمع کا معنی دیتا ہو، جیسے: قوم، ابل۔

قاعدہ:

جمع یا اسم جمع جب مُعَرَّف بالـلام ہوں تو اصل یہی ہے کہ لام تعریف کو عہد خارجی پر محمول کیا جائے اور اگر عہد خارجی مراد لینا ممکن نہ ہو مطلب یہ کہ معین افراد مراد نہ ہوں تو پھر الف لام عموم واستغراق کے لئے ہوگا کہنا یہ مقصود ہے کہ جمع معرف باللام میں بھی عموم واستغراق والا معنی پایا جاسکتا ہے، تفسیر بیضاوی۔

اسم علم کی تعریف:

ایسا اسم جو جنس کے ایک معین فرد پر بولا جائے اسم علم کہلاتا ہے، مثلاً: یوسف، عمر۔

جنس کے اعتبار سے اسم کی قسمیں

جنس کے اعتبار سے مجموعی طور پر اسم کی چار اقسام بنتی ہیں:

(1): مذکر حقیقی (2): مذکر مجازی (3): مؤنث حقیقی (4): مؤنث مجازی۔

جامد اور مشتق ہونے کے اعتبار سے اسم کی اقسام

جامد اور مشتق ہونے کے اعتبار سے اسم کی دو قسمیں ہیں:

(1): اسم جامد (2): اسم مشتق۔

اسم جامد کی تعریف:

ایسا اسم جو خود اصل ہو، کسی دوسرے لفظ سے نہ بنا ہو، اسے اسم جامد کہا جاتا ہے۔

طبیعت (اصل) کے اعتبار سے اسم جامد کی قسمیں

دلیلُ السالِک الی اَلفِیَۃ ابن مالِک، حاشیۃ النحو الوافِي میں اصل کے اعتبار سے اسم جامد کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(1): اسم ذات (2): اسم معنی (مصدر)۔

(1): اسم ذات کی تعریف:

جو اسم ایسی ذات محسوسہ پر دلالت کرے جسے حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے جانا جا سکتا ہو اسم ذات کہلاتا ہے، جیسے: القمَر، الرجُل، البیتُ۔

یہ ایسے اسم ہیں جو خود اصل ہیں کسی سے نہیں بنے اور ان کا اپنا حسی وجود بھی ہے یعنی ان کا حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے ادراک بھی ہو سکتا ہے تو یہ اسم ذات ہیں، مگر عموماً انہیں اسم جامد کہا جاتا ہے۔

نوٹ:

حواس خمسہ ظاہرہ یہ ہیں: چکھنا، سونگنا، چھونا، دیکھنا اور سُننا۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسم ذات یا تو کسی انسان پر دلالت کرے گا یا کسی حیوان پر یا نباتات پر یا جمادات پر (مطلب یہ کہ چیزوں، اشخاص اور جگہوں کے نام کو اسم ذات کہا جاتا ہے)۔

(2): اسم معنی کی تعریف:

جو اسم ایسے معنی پر دلالت کرے جس کا حسّی وُجود نہ ہو یعنی جس کا صرف عقل کے ذریعے ادراک ہو سکتا ہو اور وہ معنی خود قائم نہ ہو بلکہ دوسرے کے ساتھ قائم ہو تو ایسے اسم کو اسم معنی کہا جاتا ہے، (اسم معنی حقیقت میں مصدر ہی ہے)۔

مثلاً: القراءۃ (پڑھنا)، الضرب (مارنا)، الجلوس (بیٹھنا)، الاکلُ (کھانا)۔ ان میں سے ہر کلمہ حقیقت میں اسم جامد یعنی مصدر ہی ہے کیونکہ خود اصل ہے، کسی دوسرے کلمے سے نہیں بنا اور اس کا ادراک صرف عقل کے ذریعے ہوتا ہے حس کے

ذریعے نہیں ہوتا لہذا اسے اسم معنی یعنی مصدر کہا جائے گا۔

نوٹ:

اسم معنی یعنی مصدر ہی سے افعال اور اسمائے مشتقات بنتے ہیں اور مصدر اصل میں اسم جامد ہی کی ایک قسم ہے۔

اسم کی دوسری قسم: اسم مشتق کی تعریف

اسم مشتق ایسے اسم پر دلالت کرتا ہے جو کسی صفت سے متصف ہو۔ گویا اسم مشتق میں ذات اور وصفی معنی دونوں پائے جاتے ہیں اور اسم مشتق کو مشتق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کسی دوسرے کلمہ (مصدر/اسم معنی) سے بنا ہوتا ہے، مثلاً:

صابر: یہ صبر مصدر سے بنا ہے۔

مجتھد: یہ اجتھاد مصدر سے بنا ہے۔

فائدہ:

(1): جب اسم مشتق مشتق پر دلالت کرنے کے لیے استعمال ہو تو یہ اسم مشتق شمار ہوگا۔

(2): جب اسم مشتق کو علمیت کی طرف پھیر دیا جائے یعنی جب اسم مشتق علمیت کے معنی میں استعمال ہو تو اسم مشتق نہیں بلکہ اسم جامد کہلائے گا کیونکہ تمام علم اسم جامد ہوتے ہیں

جیسے: محمد، عابد، کریم۔



نویں فصل



مصدر کی اقسام ان کی تعریفات اور ان کا ترجمہ کرنے کا طریقہ

جب عبارت میں مصدر مذکور ہو تو مصدر کا ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ اگر یہ مصدر ہے تو مصدر کی کونسی قسم ہے اور یہاں مصدر کی کونسی قسم مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی و مفہوم بنے گا اور اس کا ترجمہ کس طریقے سے ہوتا ہے۔

ترجمہ کرنے میں کمزوری کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مصدر کی اقسام اور ان کی پہچان اور ان کا ترجمہ کرنے کا طریقہ معلوم نہیں ہوتا اِن چیزوں کو سیکھے بغیر ہی ترجمہ کرنا شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے نہ ہی اصل عبارت دُرست ہوتی ہے نہ ہی دُرست معیاری ادبی ترجمہ کرنا آتا ہے، آپ کے سامنے مصدر کی اقسام اور ان کی تعریفات بیان کی جاتی ہیں:

مصدر کی اقسام اور ان کی تعریفات

(1): مصدر مَبْنِی لِلْفاعل:

وہ مصدر جس کی اضافت فاعل کی طرف بالفعل معتبر ہو، جیسے: حَمْدُ زید۔

(ملا عبدالغفور)۔

اگر متکلم اس مصدر کی اضافت فاعل کی طرف بالفعل کرنا چاہتا ہے، مطلب یہ کہ اس عبارت حَمْدُ زید میں لفظ زید مضاف الیہ کو فاعل بنانا چاہتا ہے تو اس صورت میں فاعل والا ترجمہ ہوگا اور اُردو میں ترجمہ کرتے وقت موقع کی مناسبت سے عموماً لفظ "کا" یا "کے" یا" کی" استعمال ہوتا ہے اب مذکورہ عبارت کا ترجمہ ہوگا: زید کا حمد کرنا۔ گویا متکلم اس عبارت کے ذریعے بتانا چاہتا ہے کہ زید حمد کرنے والا ہے اسی وجہ سے اس طرح کی اضافت کو اضافة المصدر الی الفاعل کہا جاتا ہے۔

ضَرْبُ زید:

اگر متکلم اس عبارت میں لفظ زید مضاف الیہ کو بالفعل فاعل بنانا چاہتا ہے تو اس کا ترجمہ ہوگا: زید کا مارنا۔ گویا متکلم اس عبارت کے ذریعے بتانا چاہتا ہے کہ مارنے والا زید ہے۔

هوَی النفس:

اگر متکلم اس عبارت میں لفظ: النفس مضاف الیہ کو بالفعل فاعل بنانا چاہتا ہے تو اس کا ترجمہ ہوگا: نفس کا خواہش کرنا/ نفس کی خواہش۔

(2): مصدر مَبْنِی لِلْمفعول:

وہ مصدر جس کی اضافت مفعول کی طرف بالفعل معتبر ہو، جیسے: ضَرْبُ زید، (ملا عبد الغفور)۔ اگر متکلم کا اس عبارت میں لفظ زید مضاف الیہ کو مفعول بہ بنانا مقصود ہے تو اس صورت میں مفعول بہ والا ترجمہ ہوگا اور اُردو میں ترجمہ کرتے وقت موقع محل کے اعتبار سے عموماً لفظ "کو" یا "کی" آتا ہے اب اس عبارت کا ترجمہ ہوگا: زید کو مارنا/ زید کی پٹائی کرنا۔ گویا متکلم اس عبارت کے ذریعے بتانا چاہتا ہے کہ زید مضروب ہے۔

بسا اوقات اس صورت میں اس طرح کی اضافت کا ترجمہ کرتے وقت لفظ "کو" یا "کی" وغیرہ کچھ نہیں آتا۔

قراءۃُ الکتاب:

اس عبارت کا ترجمہ محاورتی تعبیر کے اعتبار سے لفظ "کو" یا "کی" کے بغیر یوں بھی کر سکتے ہیں: کتاب پڑھنا۔

وجہ یہ ہے کہ **کتاب کو پڑھنا**: یہ ترجمہ بھی دُرست ہے مگر جب اس عبارت میں لفظ "کو" حذف کر کے بھی بات سمجھ میں آرہی ہے تو پھر لفظ "کو" ذکر کرنا حشو و زوائد کے تحت داخل ہو جائے گا جس کی وجہ سے ترجمہ غیر معیاری کہلائے گا۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ بسا اوقات اس طرح کی اضافت کا ترجمہ کرتے وقت لفظ "کو" یا "کی" وغیرہ کچھ نہیں آتا اور اس طرح کی اضافت کو اضافة المصدر الی المفعول کہا جاتا ہے۔

نوٹ:

اس قسم کی اضافت کا ترجمہ کرتے وقت ترجمہ کرنے والے کو دونوں پہلوؤں کا خیال رکھنا چاہیے کہ مصدر کی اضافت بِالفِعْل فاعل کی طرف یا مفعول بہ کی طرف کرنا مقصود ہے، موقع کی مناسبت سے ایک صورت کا تعین کر کے اضافت کا ترجمہ کیا جائے۔

(3): مصدر/مصدر معلوم / مصدرِ صریح / مصدر اصلی:

وہ مصدر جس کی اضافت فاعل کی طرف بالقوہ معتبر ہواور اس سے بلا قیدِ زمانہ کے کام کا ہونا یا کرنا پایا جائے۔ جب مطلق مصدر بولا جائے تو عموماً مصدر کی یہ ہی تیسری قسم مراد ہوتی ہے اسے مصدرِ صریح، مصدر اصلی اور مصدر معلوم بھی کہا جاتا ہے۔

اور مصدر صریح ہی سے اَفعال اور اسمائے مشتقات بنتے ہیں، اُردو زبان میں ترجمہ کرتے وقت اس کے معنی کے آخر میں علامتِ مصدر "نا" آتی ہے، جیسے:

ذَھابٌ: جانا، اَکْلٌ: کھانا، فِعْلٌ: کام کرنا۔

مذکورہ مثالیں بلا قیدِ زمانہ کے کسی کام کے ہونے پر دلالت کررہی ہیں اوران کے ترجمہ میں علامتِ مصدر "نا" بھی آرہی ہے۔

مصدر اور حاصلِ مصدر میں معنوی فرق:

مصدر اور حاصلِ مصدر کی شکل وصورت بظاہر ایک جیسی ہوتی ہے مگران میں معنوی اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے اس طرح کہ اُردو میں مصدر / مصدرِ صریح / مصدر معلوم کے معنی کے آخر میں علامتِ مصدر "نا" آتی ہے، جبکہ حاصلِ مصدر کے ترجمہ میں علامتِ مصدر "نا" نہیں آتی۔

مصدر اور صفت مشبہ میں فرق:

بعض اوقات مصدر اور صفت مشبہ کی شکل وصورت بظاہر ایک جیسی ہوتی ہے مگران میں اعراب اور معنی کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے، اعراب کے اعتبار سے اس طرح کہ مصدر اور صفت مشبہ دونوں کا وزن اور اعراب الگ الگ ہوتا ہے۔

معنوی فرق اس طرح کہ مصدر صرف حدوثی معنی پر دلالت کرتا ہے جبکہ صفت مشبہ حدوثی معنی اور ذات دونوں پر دلالت کرتا ہے مطلب یہ کہ مصدر میں صرف وصفی معنی ہوتا ہے جبکہ صفت مشبہ میں ذات اور وصف دونوں معنی پائے جاتے ہیں، مثلاً:

حسن:

اس میں کئی احتمالات پائے جاتے ہیں:
اگراسے حُسْنٌ پڑھیں تو یہ مصدر بھی ہوسکتا ہے اور حاصل مصدر بھی۔
اگر مصدر / مصدر صریح مراد لیں تو اس کا معنی ہوگا: خوبصورت ہونا۔
اگر حاصل مصدر مراد لیں تو اس کا معنی ہوگا: خوبصورتی۔ اُردو گرامر کے لحاظ سے لفظ "خوبصورتی" حاصل مصدر ہے صفت مشبہ کا صیغہ نہیں ہے کیونکہ مصدر اور حاصل مصدر دونوں میں صرف وصفی معنی پایا جاتا ہے ذات والا معنی نہیں ہوتا۔
اگر حَسَنٌ پڑھیں: تو صفت مشبہ کا صیغہ ہوگا اور اس کا معنی ہوگا: خوبصورت۔
اُردو گرامر کے حساب سے لفظ "خوبصورت" صفت مشبہ کا صیغہ ہے جو ذات اور وصفی معنی دونوں پر دلالت کر رہا ہے۔

حذر:

اس میں کئی احتمالات پائے جاتے ہیں:
اگراسے حَذَرٌ پڑھیں تو یہ مصدر بھی ہوسکتا ہے اور حاصل مصدر بھی۔
اگر مصدر / مصدر صریح مراد لیں تو اس کا معنی ہوگا: چوکنا ہونا، بچنا، ڈرنا محتاط ہونا۔
اگر حاصل مصدر مراد لیں تو اس کا معنی ہوگا: احتیاط، بچاؤ، پرہیز، ڈر۔
مصدر اور حاصل مصدر دونوں صرف وصفی معنی (حدوثی معنی) پر دلالت کر رہے ہیں۔
اگراسے حَذِرٌ پڑھیں: تو یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہوگا اور اس کا معنی ہوگا: چوکنا محتاط، ہوشیار، بچنے والا، ڈرنے والا۔ اُردو گرامر کے لحاظ سے یہ تمام الفاظ صفت مشبہ کے صیغے ہیں جو ذات اور وصفی معنی دونوں پر دلالت کر رہے ہیں۔

القلق:

اس میں کئی احتمالات موجود ہیں:
اگراسے القَلَق پڑھیں تو یہ مصدر بھی ہوسکتا ہے اور حاصل مصدر بھی۔
اگر مصدر / مصدر معلوم / مصدر اصلی مراد لیں تو اس کا معنی ہوگا: پریشان ہونا، مضطرب

ہونا، بے چین ہونا، بے قرار ہونا، اُداس ہونا۔

اگر حاصل مصدر مراد لیں تو معنی ہوگا: پریشانی، بے چینی، بے قراری، اُداسی۔

اُردو گرامر کے لحاظ سے بھی یہ الفاظ حاصل مصدر ہیں صفت کے صیغے نہیں ہیں۔

اگر اسے **اَلْـقَـلِـق** پڑھیں: تو یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہوگا اور اس کا معنی ہوگا: مضطرب، پریشان، بے چین، بے قرار، اُداس۔ اُردو گرامر کے لحاظ سے بھی یہ تمام الفاظ صفت مشبہ کے صیغے ہیں جو ذات اور وصفی معنی دونوں پر دلالت کر رہے ہیں۔

دُرست ترجمہ نہ کرنے کی وجہ:

ترجمہ میں کمزوری کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بعض طلبا کو مصدر، حاصل مصدر اور صفت مشبہ کے درمیان فرق معلوم نہیں ہوتا نہ ان کا ترجمہ کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور نہ ہی اُنہیں یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ عبارت میں مصدر یا حاصل مصدر مراد لینے کی صورت میں دُرست معنی بنے گا یا صفت مشبہ والا معنی مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بنے گا۔ ترجمہ کرتے وقت اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی، موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے کسی ایک کی تعیین کیے بغیر ہی جلدی سے ترجمہ کرنا شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے ترجمہ کے ساتھ بھی ناانصافی ہوتی ہے بلکہ ترجمہ کی روح ہی فوت ہو جاتی ہے۔

(4): اسم مصدر کی تعریف:

وہ اسم جو کسی کام یا حرکت کا نام ہو مگر اس کے معنی میں زمانہ نہیں پایا جاتا اور بغیر کسی عوض کے لفظاً یا تقدیراً اپنے فعل ماضی کے تمام حروف پر مشتمل نہیں ہوتا اسم مصدر کہلاتا ہے۔ عموماً اسم مصدر کے ترجمہ میں علامت مصدر "نا" نہیں آتی، جیسے:

اَلْوُضُوْء۔ اس کا ترجمہ یوں کریں گے: وضو۔

مصدر اور اسم مصدر میں لفظی اور معنوی فرق:

مصدر اور اسم مصدر میں معنوی فرق یہ ہے کہ مصدر حدوثی معنی پر بذاتِ خود دلالت کرتا ہے جبکہ اسم مصدر حدوثی معنی پر مصدر کے واسطہ سے دلالت کرتا ہے۔ عموماً اسم مصدر

کے ترجمہ میں علامت "نا" نہیں آتی جبکہ مصدر کے ترجمہ میں علامت مصدر "نا" آتی ہے۔
مصدر اور اسم مصدر میں لفظی فرق یہ ہے کہ مصدر اور اسم مصدر کی شکل وصورت ایک جیسی نہیں ہوتی اس طرح کہ مصدر تو اپنے فعل ماضی کے تمام حروف پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ اسم مصدر اپنے فعل ماضی کے تمام حروف پر مشتمل نہیں ہوتا بلکہ اس میں فعل کے حروف کچھ کم یا زیادہ ہوتے ہیں، جیسے:

الوُضُوء:
اسم مصدر ہے یعنی اپنے فعل ماضی .توَضَّأَ کے مصدر کا اسم ہے اپنے فعل ماضی کا مصدر نہیں ہے کیونکہ اپنے فعل ماضی .تـوَضَّـأَ کے تمام حروف پر مشتمل نہیں ہے جبکہ صرفی قاعدے کے مطابق توَضَّأ: فعل کا مصدر جو اپنے فعل ماضی کے تمام حروف پر مشتمل ہو .توَضُّؤٌ ہے۔
کـلام ، ثـواب، عَـطـاء: اپنے فعل ماضی کے اسم مصدر ہیں یعنی اپنے فعل ماضی کے مصدر کے نام ہیں کیونکہ اپنے فعل ماضی کے تمام حروف پر مشتمل نہیں ہیں جبکہ صرفی قاعدے کے مطابق ان کے فعل کے مصدر ہیں: تکلیم، اِثابۃٌ، اِعْطاءٌ۔
تَقْوَی: یہ اپنے فعل :اِتَّقَی کا اسم مصدر ہے۔
فَتْـوَی: یہ اپنے فعل اَفْتَـی: کا اسم مصدر ہے، بسا اوقات افتـاء مصدر کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔
سَوَاء: یہ اِسْتَوَی: کا اسم مصدر ہے۔

سوال:
عِـدَۃ: اسم مصدر ہونا چاہیے کیونکہ یہ اپنے فعل ماضی وعَـد: کے تمام حروف پر مشتمل نہیں ہے۔

جواب:
عِـدَۃ: اسم مصدر نہیں بلکہ مصدر ہی ہے کیونکہ اسم مصدر ہونے کے لیے شرط ہے کہ اسم مصدر بغیر کسی عوض کے لفظاً یا تقدیراً اپنے فعل ماضی کے تمام حروف پر مشتمل نہ ہو۔ جبکہ عِـدَۃ

اپنے فعل ماضی کے تمام حروف پر مشتمل ہے اس طرح کہ عِدَۃ میں ۃ: واو کے عوض میں آئی ہے۔

(5): مصدر مجہول:

مصدر مجہول اصل میں مصدر / مصدر معلوم / مصدر صریح ہی ہوتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ اگر مصدر (مصدر صریح / مصدر معلوم) کی اضافت مفعول کی طرف بالقوہ معتبر ہو تو اس قسم کے مصدر کو مصدر مجہول کہا جاتا ہے اور اُردو زبان میں ترجمہ کرتے وقت مصدر مجہول کے معنی کے آخر میں لفظ "جانا" یا" کیا جانا" آتا ہے، مثلاً: حَمْدٌ:

اگر اس مصدر کی اضافت بالقوہ مفعول کی طرف کرنا مقصود ہے تو یہ مصدر مجہول کہلائے گا اور اس مصدر کا ترجمہ یوں کریں گے: تعریف کیا جانا۔

خَلْقُ زید:

اگر متکلم خلق مصدر کی اضافت زید مفعول بہ کی طرف بالقوہ کرنا چاہتا ہے تو اب اس اضافت کا ترجمہ یوں کریں گے: زید کو پیدا کیا جانا۔

مذهبُ المحدثين في قبول الحديث:

اس عبارت میں قبول مصدر کا مصدر مجہول والا ترجمہ کرنے سے ترجمہ دلکش اور خوبصورت ہو جائے گا:

حدیث کو قبول کئے جانے کے بارے میں محدثین کا مذہب۔

اگر مصدر / مصدر معلوم / مصدر صریح والا ترجمہ کیا:

حدیث کو قبول کرنے کے بارے میں محدثین کا مذہب۔

تو یہ ترجمہ بھی دُرست ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ:
اس کتاب کا اُتارا جانا اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے۔

(6): مصدر قدر مشترک / حاصل مصدر:

حاصل مصدر بھی در حقیقت مصدر / ر مصدر معلوم / مصدر صریح ہی ہوتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اگر مصدر کی اضافت فاعل یا مفعول کی طرف اصلاً معتبر نہ ہو نہ بالفعل نہ بالقوہ تو اس قسم کے مصدر کو حاصلِ مصدر / مصدر قدر مشترک کہا جاتا ہے، (ملا عبدالغفور)۔
مطلب یہ کہ حاصلِ مصدر وہ ہے جو کسی فعل کی کیفیت یا اثر یا نتیجہ ظاہر کرے۔ اور اُردو زبان میں حاصلِ مصدر کی پہچان یہ ہے کہ اس کے ترجمہ میں علامتِ مصدر "نا" نہیں آتی۔ مطلب یہ کہ اس کے معنی کے آخر سے علامتِ مصدر "نا" حذف کرنے کے بعد کچھ تغیر کر کے بناتے ہیں مثلاً: پڑھنا مصدر سے حاصلِ مصدر ہوگا: پڑھائی۔

حاصل مصدر اور مصدر میں فرق:

ابھی کچھ دیر پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مصدر اور حاصلِ مصدر کی شکل وصورت بظاہر ایک جیسی ہوتی ہے مگر ان میں معنوی اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے اس طرح کہ اُردو زبان میں مصدر / مصدر معلوم کے معنی کے آخر میں علامتِ مصدر "نا" آتی ہے جبکہ حاصلِ مصدر کے ترجمہ میں علامتِ مصدر "نا" نہیں آتی۔

مزید وضاحت کے لیے کچھ مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(1): بِشْر: اگر اسے حاصلِ مصدر مان لیں تو پھر معنی ہوگا: خوشی۔
اگر مصدر / مصدر صریح / مصدر معلوم مراد لیں تو پھر معنی ہوگا: خوش ہونا۔
(2): هَتْكٌ: اگر اسے حاصلِ مصدر مان لیں تو پھر معنی ہوگا: بے عزتی۔
اگر مصدر مراد لیں تو پھر ترجمہ ہوگا: بے عزتی کرنا۔

اگر مصدر مجہول مراد لیں تو پھر معنی ہوگا: بے عزت کیا جانا۔

هَتکُ زید:

اگر اس مصدر کی اضافت بالفعل فاعل کی طرف کرنا مقصود ہے یعنی اگر متکلم زید مضاف الیہ کو بالفعل فاعل بنا چاہتا ہے تو یہ مصدر مبنی للفاعل ہوگا اور اب زید کا فاعل والا ترجمہ کریں گے: زید کا بے عزتی کرنا۔

اگر بالفعل مفعول کی طرف اس مصدر کی اضافت کرنا مقصود ہے تو یہ مصدر مبنی للمفعول ہوگا اس صورت میں زید کا مفعول بہ والا ترجمہ کریں گے: زید کی بے عزتی کرنا۔

دوسرا یہ کہ هَتک اپنے فعل کا مصدر ہے اپنے فعل کا اسم مصدر نہیں ہوسکتا کیونکہ اسم مصدر ہونے کے لئے شرط ہے کہ اسم مصدر اپنے فعل ماضی کے تمام حروف پر مشتمل نہ ہو جبکہ هَتک مصدر اپنے فعل کے تمام حروف پر مشتمل ہے۔

(3): شھوۃ: اگر اسے حاصلِ مصدر مان لیں تو پھر معنی ہوگا: خواہش / چاہت۔

اگر مصدر مراد لیں تو پھر معنی ہوگا: خواہش کرنا / چاہنا۔

(4): صِدق: اگر اسے حاصلِ مصدر مان لیں تو پھر معنی ہوگا: سچائی / حقیقت۔

اگر مصدرِ صریح مراد لیں تو پھر معنی ہوگا: سچ بولنا / سچی بات کہنا۔

صِدقُ زید:

اگر بالفعل فاعل کی طرف اس مصدر کی اضافت کرنا مقصود ہے تو یہ مصدر مبنی للفاعل ہوگا اور اب زید کا فاعل والا ترجمہ کریں گے: زید کا سچ بولنا۔ اس قسم کی اضافت کو اضافۃ المصدر الی الفاعل کہا جاتا ہے۔

دوسرا یہ کہ صِدق: اسم مصدر نہیں ہوسکتا یعنی اپنے فعل کا اسم مصدر نہیں ہوسکتا کیونکہ اسم مصدر ہونے کے لئے شرط ہے کہ اسم مصدر لفظاً یا تقدیراً اپنے فعل ماضی کے تمام حروف پر مشتمل نہ ہو جبکہ صِدق مصدر تو اپنے فعل کے تمام حروف پر مشتمل ہے، لہذا مصدر یا حاصل

مصدر یا مصدر مجہول تو ہوسکتا ہے مگر اسم مصدر نہیں ہوسکتا۔

(5):عَزِیمة: اگر اسے حاصلِ مصدر مان لیں تو پھر معنی ہوگا: پختہ ارادہ۔

اگر مصدرِ صریح مراد لیں تو پھر معنی ہوگا: پختہ ارادہ کرنا۔

(6):رَغبة: اگر اسے حاصلِ مصدر مان لیں تو پھر معنی ہوگا: خواہش، شوق، چاہت۔

اگر مصدرِ صریح مراد لیں تو پھر معنی ہوگا: خواہش کرنا، چاہنا۔

(7): **مصدر میمی:**

مصدر کے شروع میں میم ہو یہ ثلاثی مجرد سے مَفْعَلٌ کے وزن پر اور غیر ثلاثی مجرد سے مصدر میمی اسم مفعول کے وزن پر آتا ہے: مَسْعَی: کوشش / کوشش کرنا۔ اس کا ترجمہ کبھی حاصل مصدر اور کبھی مصدر کی طرح کیا جاتا ہے۔

کبھی مصدر میمی کے آخر میں تاء کا اضافہ کر دیا جاتا ہے، جیسے: مَحبة: محبت کرنا۔

نوٹ:

عبارت میں جب مصدر مذکور ہو تو موقع کی مناسبت سے مصدر کی کسی ایک قسم کا تعین کیا جائے کہ یہاں عبارت میں مصدر کی کونسی قسم مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہے: مصدر صریح، مصدر مجہول، یا حاصل مصدر پھر اسی کے مطابق ترجمہ کیا جائے جبکہ عام طور پر ترجمہ کرتے وقت اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی، موقع محل کے اعتبار سے کسی ایک قسم کا تعین کیے بغیر ہی ترجمہ کر دیتے ہیں۔

تنبیہ:

بسا اوقات قرینہ خارجیہ پائے جانے کے وقت موقع محل کے اعتبار سے عبارت میں موجود مصدر کا ماضی والا ترجمہ کرنے سے عبارت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے، جیسے:

وَ اِنَّه لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْن:

ترجمہ کنز الایمان: اور بیشک یہ قرآن رب العالمین کا اُتارا ہوا ہے۔

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ :

یہ کتاب اللہ کی طرف سے اُتاری گئی ہے جو غالب حکمت والا ہے۔

یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

بسا اوقات موقع محل کے اعتبار سے عبارت میں موجود مصدر کا مستقبل والا ترجمہ کرنے سے ترجمہ خوبصورت اور عبارت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے جیسے:

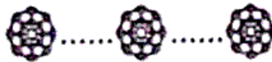
حکم روايته عدَمُ القَبول:

اس کی روایت کا حکم یہ ہے کہ اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

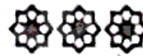
بسا اوقات موقع محل کے اعتبار سے عبارت میں موجود مصدر کا امر والا ترجمہ کرنے سے ترجمہ دلکش اور عبارت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے جیسے:

علينا بالاستماع الى دروس العلماء:

علمائے کرام کے بیانات ضرور سنے جائیں/ ہمیں چاہیے کہ علمائے کرام کے بیانات ضرور سنیں۔



......دسویں فصل......



فعل معروف و مجہول اور لازم و متعدی
کی تعریف کے بارے میں

فعل کا ترجمہ کرنے سے پہلے چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے:

(1): جس فعل کا ترجمہ کرنا چاہتے ہیں وہ فعل معروف ہے یا مجہول، اس کی پہچان اس طرح ہوگی یہ دیکھیں کہ فعل معروف مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی ومفہوم بن رہا ہے تو معروف والا ترجمہ کریں اور اگر فعل مجہول مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی ومفہوم بن رہا ہو تو مجہول والا ترجمہ کریں۔

(2): معنوی اعتبار سے وہ فعل لازم ہے یا متعدی، لہذا فعل لازم مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی ومفہوم بن رہا ہو تو لازم والا ترجمہ کریں اور اگر فعل متعدی مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی ومفہوم بن رہا ہو تو متعدی والا ترجمہ کریں، موقع کی مناسبت سے اس کا تعین کیا جائے۔

(3): اور صیغہ کونسا ہے۔

عبارت اور ترجمہ میں کمزوری پیدا ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بعض طلباء کو ترجمہ کرتے وقت فعل کی صرفی حیثیت معلوم نہیں ہوتی کہ یہ فعل معروف ہے یا مجہول، لازم ہے یا متعدی، ان چیزوں کو جانے بغیر ہی ترجمہ کرنا شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے ترجمہ کے ساتھ بھی ناانصافی ہو رہی ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات ترجمہ کا خون ہوتا ہے۔

فعل معروف اور فعل مجہول کی تعریف:

فاعل معلوم ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے فعل کی دو قسمیں ہیں:

(1): فعل معروف: یہ وہ فعل ہوتا ہے جس میں فاعل موجود ہو۔

(2): فعل مجہول: یہ وہ فعل ہوتا ہے جس میں فاعل موجود نہ ہو۔

نوٹ:

یادرہے کہ ہر فعل ایک فاعل کا لازمی مطالبہ کرتا ہے، اب کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ فعل کا
ل مجہول ہوتا ہے یعنی اس کا علم نہیں ہوتا۔ اس صورت میں پھر فعل، لازمی طلب والا کام
ول سے لینے کی کوشش کرتا ہے اور فاعل کی بجائے مفعول کا سہارا لے لیتا ہے، اس فعل کو
ل مجہول کہیں گے کہ اس کا فاعل مجہول ہے۔ لہذا جب کسی فعل کا فاعل مجہول ہو جائے تو اس
ل مجہول کہتے ہیں ورنہ وہ فعل معروف ہوگا۔ مثلاً:

ضَرَبَ زید: یعنی زید نے مارا۔

ضُرِبَ زید: زید کو مارا گیا۔

اب ضَرَبَ زید والی مثال میں آپ کو فاعل کا پتا ہے کہ مارنے والا "زید" ہے تو یہ فعل
وف ہوگا کیونکہ اس کا فاعل معروف ہے یعنی آپ اس کو پہچانتے ہیں۔

جبکہ ضُرِبَ زید والی مثال میں "زید" کو مارا جا رہا ہے مگر مارنے والا کون ہے، اس کا
ں پتا۔ یعنی ضُرِبَ فعل کا فاعل مجہول ہے (مارنے کا کام کرنے والا مجہول ہے) پس یہ فعل
ل کہلائے گا۔

طلب کے لحاظ سے فعل کی اقسام:

طلب کے لحاظ سے فعل کی دو قسمیں بنتی ہیں: لازم اور متعدی۔

لازم اور متعدی کی تعریف:

ہر فعل کو کھڑا ہونے (قائم رہنے) کے لئے ایک سہارے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس
بغیر وہ کھڑا نہیں ہو سکتا، جیسے: دیوار یا اسٹینڈ کے بغیر بلیک بورڈ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ پس اسی
ح ہر فعل کسی سہارے کا شدت سے طلبگار ہوتا ہے اور وہ سہارا فاعل ہوتا ہے۔

فعل کی طلب اگر صرف فاعل تک محدود رہے، مفعول کا مطالبہ نہ کرے تو اس فعل کو فعل
زم کہتے ہیں جیسے: جَلَسَ: وہ بیٹھا۔ ذَھَبَ: وہ گیا۔ دَخَلَ: وہ داخل ہوا۔ یہ سب افعال
لازم ہیں کیونکہ اِن کی طلب فاعل پر آ کر رُک گئی ہے۔

مگر حرف جر کے واسطہ سے فعل لازم کا مفعول بہ بھی آ سکتا ہے، معنوی اعتبار سے اسے

مفعول غیر صریح کہا جاتا ہے جبکہ ترکیب کلام میں ظرف لغو ہی بنتا ہے، جیسے:

ذَهَبَ اِلی السوقِ: وہ بازار گیا۔

جَلَسَ علَى الكرسِيّ: وہ کرسی پر بیٹھا۔

لیکن اگر فعل فاعل کے علاوہ مفعول کا بھی مطالبہ کرے تو اس فعل کو فعل متعدی کہتے ہیں یعنی ایسا فعل جس کی طلب ابھی رُکی نہ ہو بلکہ آگے منتقل ہونا چاہتی ہو۔

مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ فاعل کی طلب تو وجوب کے حکم میں ہوتی ہے یعنی اس کے بغیر فعل بالکل راضی نہیں ہوتا البتہ مفعول کی طلب، جواز کے حکم میں ہوتی ہے یعنی مل جائے تو فعل خوش ہو جاتا ہے اور اگر نہ ملے تو گزارہ کر لیتا ہے۔

فعل متعدی کی مثالیں:

ضَرَبَ: اس نے مارا۔ قَتَلَ: اس نے قتل کیا۔

ان مثالوں میں آپ دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ مفعول آیا تو نہیں مگر آ سکتا ہے یعنی آپ کہہ سکتے ہیں:

ضَرَبَ زیداً: اس نے زید کو مارا۔ قَتَلَ زیداً: اس نے زید کو قتل کیا۔ لہٰذا جس فعل میں مفعول آیا ہو یا آ سکتا ہو وہ فعل متعدی ہوتا ہے۔

فعل لازم کی تعریف میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ فعل لازم وہ فعل ہوتا ہے جو صرف فاعل کے ساتھ مل کر بات مکمل کر دے۔

فعل متعدی اس فعل کو کہتے ہیں جو مکمل ہونے کے لئے فاعل کے علاوہ مفعول بہ کی بھی ضرورت محسوس کرے۔

سوال:

ایک ہی فعل ایک جگہ لازم معنی میں استعمال ہو رہا ہو جبکہ وہ ہی فعل دوسری جگہ متعدی استعمال ہو تو اس فعل کے لازم یا متعدی ہونے کا فیصلہ کیسے کیا جائے گا؟

جواب:

درحقیقت کسی بھی فعل کے لازم یا متعدی ہونے کا فیصلہ کرنا اھلِ عرب سے سماع پر موقوف ہے، مطلب یہ کہ لازم یا متعدی کی پہچان کرنے کے لئے سماع کی ضرورت ہے یا کتب لغت کی مدد سے پہچان ہوسکتی ہے لہذا لازم اور متعدی ہونے کا فیصلہ کرنے میں لغت کا سہارا لیا جائے، صرف قیاس آرائی نہ کی جائے۔

فائدہ:

بسا اوقات ایک ہی فعل ایک جگہ لازم استعمال ہوتا ہے اور وہ ہی فعل دوسری جگہ متعدی استعمال ہوتا ہے اب اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو وہ ایک ہی فعل دونوں جگہ مختلف معنی میں استعمال ہو رہا ہوگا اور ایسا اکثر ہوتا ہے یا پھر وہ ایک ہی فعل دونوں جگہ ایک ہی معنی میں استعمال ہو رہا ہوگا، مثلاً:

حَلّ الطالبُ المسألةَ:

طالب علم نے مسئلہ کا حل نکالا / مسئلہ حل کیا۔

یہاں حلّ فعل متعدی ہے اور ایک خاص معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔

حَلّ المسافرُ بمکان:

مسافر ایک جگہ ٹھرا / مسافر ایک جگہ مقیم ہوا۔

یہاں حلّ: فعل لازم ہے الگ سے ایک دوسرے معنی (اترنا، ٹھرنا، مقیم ہونا) میں استعمال ہو رہا ہے تو ان مثالوں میں حلّ فعل: ایک جگہ متعدی اور دوسری جگہ لازم استعمال ہوا ہے۔ مگر دونوں جگہ الگ الگ مختلف معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔

أتیتُه:

یہاں أتیتُ فعل متعدی استعمال ہو رہا ہے۔

أتیتُ إلیه:

جبکہ یہاں أتیتُ فعل لازم استعمال ہو رہا ہے۔ مگر دونوں جگہ معنی ایک ہی ہے: آنا۔

فعل لازم اور متعدی کو پہچاننے کی علامتیں:

فعل لازم اور فعل متعدی کو پہچاننے کے لئے چند علامتیں بیان کی جاتی ہیں ان کی مدد سے فعل لازم اور متعدی کی پہچان ہو سکتی ہے مگر خیال رہے کہ یہ علامتیں یقینی نہیں ہیں مگر لازم اور متعدی میں فرق کرنے کے لئے ان کے ذریعے کچھ مدد مل سکتی ہے:

(1): فعل لازم ماضی کے ترجمہ مین فاعل کے ساتھ "نے" کی علامت نہیں آتی اور فعل لازم میں مفعول کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ اس کے بغیر ہی جملے کا مطلب مکمل ہو جاتا ہے، مثلاً:

جَلَسَ: وہ بیٹھا۔ ذَهَبَ: وہ گیا۔ دَخَلَ: وہ داخل ہوا۔

جبکہ فعل متعدی ماضی کے ترجمہ میں عام طور پر فاعل کے ساتھ "نے" کی علامت استعمال ہوتی ہے (یہ یاد رہے کہ بسا اوقات فعل متعدی ماضی کے ترجمہ میں فاعل کے ساتھ "نے" کی علامت استعمال نہیں ہوتی) اور اسے مفعول کی ضرورت ہوتی ہے مفعول کے بغیر بات مکمل نہیں ہوتی، مثلاً:

ضَرَبَ زیداً: اس نے زید کو مارا۔ قَرَأَ القرآنَ: اس نے قرآن پڑھا۔

(2): فعل متعدی پر ضمیر منصوب متصل جو اسم ذات کی طرف لوٹے، داخل کرنے کی صورت میں فعل کا دُرست معنی بن رہا ہو تو فعل متعدی ہوگا، اور اگر دُرست معنی نہ بنے تو فعل لازم ہوگا، مثلاً:

جاءَ بکر وضَرَبَه زید: بکر آیا اور زید نے اسے مارا۔

تو یہاں فعل پر ضمیر منصوب متصل جو اسم ذات کی طرف لوٹ رہی ہے، داخل کرنے کی صورت میں فعل کا دُرست معنی بن رہا ہے لہذا: ضَرَبَ فعل متعدی ہوگا۔

خَرَجَه: کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ خَرَجَه فعل پر ضمیر منصوب متصل جو اسم ذات کی طرف لوٹے، داخل کرنے کی صورت میں فعل کا دُرست معنی نہیں بن رہا لہذا یہ فعل لازم ہوگا۔

الکتاب قرَاَہ کہنے کی صورت میں فعل کا درست معنی بن رہا ہے توقرَا فعل متعدی ہوگا۔
الو لَدُ ماتَہ کہنے کی صورت میں فعل کا درست معنی نہیں بن رہالہذا مات فعل لازم ہوگا۔
(3): فعل متعدی خود مفعول بہ تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے، اس لئے عموماً اس کا مفعول حرف جر کے واسطہ کے بغیر آتا ہے اور اسے مفعول صریح کہا جاتا ہے جیسے:

قَرَاَ القرآنَ: اس نے قرآن پڑھا۔

جبکہ فعل لازم خود مفعول بہ تک پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتا مگر حرف جر کے واسطہ سے مفعول بہ تک پہنچ سکتا ہے (مطلب یہ کہ فعل لازم حرف جر کے واسطہ سے متعدی ہوسکتا ہے) اس لئے فعل لازم کا مفعول بہ حرف جر کے صِلہ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے معنوی اعتبار سے اسے مفعول غیر صریح کہا جاتا ہے جبکہ ترکیب کلام میں ظرف لغو ہی بنتا ہے، مثلاً:

ذَهَبَ بِزَيْد: وہ زید کو لے گیا۔

اس مثال میں ذَهَــب فعل لازم ہے مگر اس کا مفعول بہ (زید) حرف جر کے واسطہ سے ذکر کیا گیا ہے۔

ذَهَبَ اِلی السوق: وہ بازار گیا۔ جَلَسَ علی الکَرسِيّ: وہ کرسی پر بیٹھا۔

ان مثالوں میں بھی فعل لازم کا مفعول بہ حرف جر کے واسطہ سے ذکر کیا گیا ہے۔

نوٹ:

یہ یاد رہے کہ فعل لازم اور متعدی کے درمیان فرق کرنے کی یہ علامات یقینی نہیں ہیں کیونکہ بسا اوقات فعل متعدی کا مفعول بھی حرف جر کے صِلہ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، مثلاً:

عَلِمْتُه، عَلمتُ بذلک:

استمعتُه، استمعتُ له:

دخلتُ البيتَ، دخلتُ إلی البيت:

فاهدوهم إلی صراط الجحيم:

معلوم ہوا کہ بعض اَفعال چاہے لازم ہوں یا متعدی ہوں، ان کا مفعول بھی حرف جر کے

واسطہ سے ذکر کیا جاتا ہے۔
(4): فعل متعدی سے اسم مفعول حرف جر سے مقید کئے بغیر بنا سکتے ہیں، مثلاً:
کَتَبَ سے مکتوب، ضَرَبَ سے مضروب اسم مفعول حرف جر کے بغیر بنانا جائز ہے لہذا: کَتَبَ، ضَرَبَ فعل متعدی ہوں گے۔
جبکہ فعل لازم سے اسم مفعول حرف جر کے واسطہ سے بنانا دُرست ہوتا ہے، مثلاً:
قعد سے مقعود اسم مفعول حرف جر کے بغیر بنانا جائز نہیں ہے جبکہ حرف جر کے واسطہ سے بنانا دُرست ہے لہذا یوں کہہ سکتے ہیں: مقعود فیه اور وثق سے موثوق به۔
(5): اگر فعل پر لفظ ماذا (کیا، کیا چیز) داخل کرنے کی صورت میں سوال دُرست بن رہا ہو تو فعل متعدی ہوگا اور اگر سوال دُرست نہ بنے تو فعل لازم ہوگا، مثلاً:
اَکَلَ.....ماذا اَکَلَ: اس نے کیا کھایا/ اس نے کیا چیز کھائی۔
یہاں لفظ ماذا کے ذریعے سوال دُرست بن رہا ہے تو یہ فعل متعدی ہوگا۔
نامَ.......ماذانام: کیا سویا۔
یہاں لفظ ماذا کے ذریعے سوال دُرست نہیں بن رہا لہذا یہ فعل لازم ہوگا۔
(6): اگر فعل پر یاء متکلم ضمیر منصوب متصل داخل کرنے کی صورت میں فعل کا دُرست معنی بن رہا ہو تو فعل متعدی ہوگا اور اگر دُرست معنی نہ بنے تو فعل لازم ہوگا، جیسے:
اَکْرَمَنِي: اس نے میری عزت کی۔
یہاں فعل پر یاء متکلم ضمیر منصوب متصل داخل کرنے کی صورت میں فعل کا دُرست معنی بن رہا ہے لہذا: اَکْرَمَنِي فعل متعدی ہوگا۔
نامَنِي: وہ سویا مجھے۔
یہاں فعل پر یاء متکلم ضمیر منصوب متصل داخل کرنے کی صورت میں فعل کا معنی دُرست نہیں بن رہا لہذا: نام فعل لازم ہوگا۔
نوٹ:

بعض طلباء کتُب لغت یا استعمالِ عرب نہیں دیکھتے ،صرف ان علامات کی بنیاد پر قیاس آرائی کرتے ہوئے فعل پر لازم یا متعدی ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں جو بسا اوقات بالکل غلط ہوتا ہے، لہذا جب آپ ان علامات کی روشنی میں کسی فعل کو لازم یا متعدی قرار دیں تو کتُب لغت یا استعمالِ عرب سے تائید ضرور لے لیں تاکہ واضح ہو جائے کہ آپ کا فیصلہ واقعی درست ہے یا محض قیاس آرائی؟

لازم اور متعدی ہونے کے اعتبار سے فعل کی چار قسمیں بنتی ہیں:

(1): بعض اَفعال صرف لازم استعمال ہوتے ہیں۔

(2): بعض اَفعال صرف متعدی استعمال ہوتے ہیں۔

(3): بعض اَفعال کبھی لازم اور کبھی متعدی استعمال ہوتے ہیں: جیسے: جاءَ: یہ لازم بھی ہے اور متعدی بھی ہے۔ جب کہا جائے: جاءَ زید، یہاں یہ لازم استعمال ہو رہا ہے۔ ثُمَّ جَاءَ هُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ: یہاں متعدی استعمال ہوا ہے۔

(4): بعض اَفعال نہ لازم ہوتے ہیں اور نہ متعدی کیونکہ اُن کا بالکل کوئی فاعل ہی نہیں ہوتا: جیسے: کانَ ناقصہ، صارَ.



﴿﴾ ......گیارھویں فصل...... ﴿﴾



علامت فاعل ومفعول کے بارے میں

عام طور پر فاعل کی دو صورتیں بنتی ہیں:
(1): فاعل یا تو کام کرنے والا ہوتا ہے، مثلاً:
یَکْتُبُ: وہ لکھتا ہے، یَاْکُل: وہ کھاتا ہے۔
(2): یا ہونے والا یعنی فاعل سے کام کا کرنا نہیں پایا جاتا بلکہ ہونا یا سہنا پایا جاتا ہے، مثلاً:
مات زید: زید مر گیا۔ یَحزن زید: زید پریشان ہے۔
اُردو زبان میں عموماً فاعل کی علامت "نے" ہے مگر یہ علامت فاعل کے ساتھ ہر جگہ نہیں آتی، اس کے استعمال کی مخصوص جگہیں ہیں:
(1): "نے" علامتِ فاعل عام طور پر فعل ماضی متعدی کے ساتھ آتی ہے، مثلاً:
ضرَب: اس نے مارا۔
(2): بعض فعل ماضی متعدی ایسے ہیں جو اس قاعدے سے مستثنی ہیں جن کے ساتھ علامتِ فاعل "نے" استعمال نہیں ہوتی، مثلاً:
نَسِیَ درسَہ: وہ اپنا سبق بھول گیا۔
(3): فعل ماضی لازم کے ساتھ علامتِ فاعل "نے" استعمال نہیں ہوتی، مثلاً:
ذَھَب: وہ گیا۔

مفعول بہ کی علامات

مفعول بہ وہ ہے جس پر فاعل کے فعل کا اثر پڑے۔ مفعول بہ درحقیقت فعل متعدی کے مکمل ہونے کا کام دیتا ہے، جیسے:
ضرَب زیداً: اس نے زید کو مارا۔
(1): جب فعل کا ایک ہی مفعول ہو اور ذی عقل ہو تو ذی عقل مفعول کے ساتھ علامتِ مفعول کے طور پر "کو" آتا ہے، جیسے:
ضرَب زیداً: اس نے زید کو مارا۔
(2): اگر مفعول غیر ذی عقل ہو یا بے جان چیزوں میں سے ہو تو عموماً اس کے ساتھ

علامتِ مفعول " کو" نہیں آتی، جیسے:

اکلتُ الطعام: میں نے کھانا کھایا۔ شَرِبَ الماءَ: اس نے پانی پیا۔

بسا اوقات اس صورت میں موقع کی مناسبت سے علامت مفعول " کو" بڑھانے سے ترجمہ میں حُسن پیدا ہو جاتا ہے جیسے:

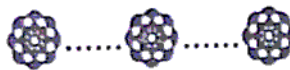
اَغْلَقْتُ الکتابَ و وضعتُه: میں نے کتاب کو بند کیا اور اسے رکھ دیا۔

(3): بعض اوقات لفظ " کو" کے بجائے علامت مفعول کے طور پر لفظ " کے " یا "میں" یا "پر" یا " سے" استعمال ہوتا ہے، جیسے:

اللهم ارْحَمْنَا: اے اللہ ہم پر رحم فرما۔

اَحْبَبْتُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی۔

کَحَّلْتُ زیداً: میں نے زید کے کاجل لگایا۔



بارھویں فصل



کان کی اقسام اور اس کا ترجمہ کرنے کے بارے میں

کان جب عبارت میں استعمال ہوتو ترجمہ کرنے سے پہلے اس کی اقسام معلوم ہونا چاہیے اور یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ اس کا ترجمہ کتنے طریقوں سے ہوتا ہے۔

کان کی دو قسمیں ہیں:

(1): کان ناقصہ (2): کان تامہ:

(1): کان ناقصہ جملہ اسمیہ (مبتدا اور خبر) پر داخل ہوتا ہے اور اسم اور خبر کے درمیان نسبت ثابت کرتا ہے۔

(2): کان تامہ: صرف مرفوع اسم پر داخل ہوتا ہے اور اس وقت یہ وُجِدَ، حَصَلَ، وقَعَ، ثَبَتَ یا حَدَثَ کے معنی میں ہوتا ہے۔

کان ناقصہ اور کان تامہ کے درمیان فرق:

کان ناقصہ کو مرفوع اسم کے ساتھ ساتھ منصوب کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو خبر بنتا ہے کیونکہ جب تک خبر نہ ہو اس کا معنی ناقص رہتا ہے خبر آجانے کے بعد جملہ کا معنی مکمل ہوجاتا ہے۔

اور اسے ناقصہ کہنے کی وجہ یہی ہے کہ اس کے لئے صرف مرفوع اسم کافی نہیں ہوتا۔

جبکہ کان تامہ کے لئے صرف مرفوع اسم کافی ہوتا ہے جو ترکیب کلام میں فاعل بنتا ہے اسے منصوب خبر کی حاجت نہیں ہوتی، لہذا اگر کان یہ: وُجِدَ، حَصَلَ، وقَعَ، ثَبَتَ یا حَدَثَ کے معنی میں استعمال ہو تو کان تامہ ہوگا۔

کان ناقصہ کی قسمیں:

کان ناقصہ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے:

(1): اس کا مشہور معنی ہے کہ یہ ماضی منقطع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی اسم سے خبر کے جدا ہونے پر دلالت کرتا ہے اس صورت میں اس کے ترجمہ میں "تھا" آتا ہے، مثلاً:

کان زید قائماً:

اگر متکلم کان کے ذریعے اسم سے خبر کا جدا ہونا (منقطع ہونا) بتانا چاہتا ہے تو اس کا ترجمہ

ہوگا: زید کھڑا تھا۔ مطلب یہ کہ زمانہ ماضی میں پہلے کھڑا ہونے کا کام ہوا تھا پھر منقطع ہو گیا۔

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ:

ترجمہ کنزالایمان: اور شہر میں نو شخص تھے۔

اس آیت مبارکہ میں کان: ماضی منقطع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(2): دوسرا معنی یہ ہے کہ بسا اوقات لَمْ یَزَلْ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی اسم سے خبر کے جُدا نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اور علی وجہ الاستمرار خبر کو اپنے اسم کے لئے ثابت کرتا ہے کسی خاص زمانہ کا اعتبار کئے بغیر۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ کان: کبھی استمرار کا معنی دیتا ہے اور اسی وجہ سے کان استمراریہ بھی کہا جاتا ہے اور استمرار والا معنی مراد ہونے کی صورت میں اس کے ترجمہ میں "ہے" آتا ہے، مثلاً:

وكَانَ الإنسَانُ قَتُورًا:

ترجمہ کنزالایمان: اور آدمی بڑا کنجوس ہے۔

یہاں کان ناقصہ ماضی منقطع کے معنی میں نہیں ہے یعنی اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان پہلے کنجوس نہیں تھا بعد میں ہو گیا یا پہلے کنجوس تھا اب نہیں ہے بلکہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان اصل میں زمانہ ماضی، حال اور مستقبل میں اسی طرح پایا گیا ہے۔ لہذا یہاں کان ناقصہ: عدم انقطاع (استمرار) کے معنی میں ہے۔

وَكَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا:

ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالی پہلے بخشنے والا مہربان نہیں تھا اور اب ہے یا پہلے تھا اب نہیں ہے بلکہ یہاں کان استمراریہ ہے مطلب یہ کہ اللہ عزوجل کی یہ صفت اصل میں اسی طرح ہے کہ پہلے بھی بخشنے والا مہربان تھا اب بھی ہے اور رہے گا۔

كان اللهُ عليما حكيما:

ترجمہ کنزالایمان: اللہ علم وحکمت والا ہے۔

اس آیت کا یوں ترجمہ کرنا غلط ہے:

اللہ علم وحکمت والا تھا۔ کہ پہلے تھا اور اب نہیں ہے۔ یہ ترجمہ اس لئے غلط ہے کیونکہ یہاں کان ناقصہ: استمراریہ ہے کہ اللہ عزوجل کی یہ صفت اصل میں اسی طرح ہے کہ پہلے بھی تھی اب بھی ہے، رہے گی اور کبھی تبدیل نہیں ہوگی۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسٰنِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا:

اگر اس آیت کا یوں ترجمہ کیا: بیشک شیطان آدمی کا کھلا دشمن تھا۔

تو غیر معیاری اور بالکل غلط ترجمہ کہلائے گا کیونکہ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ فقط زمانہ ماضی میں انسان کا دشمن تھا اور اب نہیں ہے (اب انسان سے شیطان کی دشمنی منقطع ہوگئی ہے)۔

بلکہ یہاں کان: عدم انقطاع (استمرار) کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ کہ یہاں صفتِ عداوت کو شیطان کے لیے ثابت کرنا مقصود ہے کسی خاص زمانہ کا اعتبار کئے بغیر۔ لہذا اس آیت کا دُرست اور معیاری ترجمہ یہ ہوگا:

ترجمہ کنزالایمان: بیشک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔

(3): تیسرا معنی یہ ہے کہ بسا اوقات قرینہ پائے جانے کے وقت مستقبل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً:

و فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا:

ترجمہ کنزالایمان: اور آسمان کھولا جائے گا کہ دروازے ہو جائے گا۔

(4): چوتھا معنی یہ ہے کہ بسا اوقات قرینہ پائے جانے کے وقت حال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً:

كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ:

ترجمہ کنزالایمان: تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئی۔

(5): پانچواں معنی یہ ہے کہ بسا اوقات قرینہ پائے جانے کے وقت صار کے معنی میں

ستعمال ہوتا ہے، جیسے:

وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ:

ترجمہ کنزالایمان: اور کافر ہو گیا۔

یہاں کان: بمعنی صار استعمال ہوا ہے۔

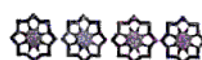
تنبیہ:

ترجمہ کرنے سے پہلے قرینہ اور سیاق وسباق کے اعتبار سے کان کے مرادی معنی کی تعیین
ل جائے پھر اُسی کے مطابق کان کا ترجمہ کیا جائے۔

نیز یہ اعتراض کرنا کہ کان صرف ماضی منقطع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے حال یا مستقبل
استمرار کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا کلام عرب سے عدم واقفیت کی دلیل ہے کہ ایسا شخص
ت عرب اور اسلوبِ عرب کو نہیں جانتا۔



تیرھویں فصل



فعل ماضی کی اقسام اور ان کی تعریفات اور ان کا ترجمہ کرنے کا طریقہ

جب عبارت میں فعل ماضی استعمال ہوتو اس کا ترجمہ کرنے سے پہلے معلوم ہونا چاہیے
کہ اگر یہ فعل ماضی ہے تو فعل ماضی کی کونسی قسم ہے اور اس کا ترجمہ سیاق وسباق اور موقع محل
کے اعتبار سے کتنے طریقوں سے ہوتا ہے۔

یہ یادر ہے کہ موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے فعل ماضی کا مختلف طریقوں سے
ترجمہ کیا جاتا ہے لہذا موقع کی مناسبت سے کسی ایک صورت کا تعین کیا جائے پھر اسی کے
مطابق فعل ماضی کا ترجمہ کیا جائے۔

عبارت اور ترجمہ میں کمزوری پیدا ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بعض طلباء کو ترجمہ
کرتے وقت نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبارت میں موجود فعل لازم ہے یا متعدی اور فعل کو
معروف پڑھنے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی ومفہوم بنے گا یا مجہول پڑھنے کی صورت
میں اور نہ ہی فعل ماضی کی اقسام کی پہچان ہوتی ہے اور نہ ہی موقع کی مناسبت سے فعل ماضی کا
ترجمہ کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے، اِن چیزوں کو سمجھے اور سیکھے بغیر ہی فعل ماضی کا ترجمہ
کرنا شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے بسا اوقات ایسا ترجمہ کرتے ہیں جو بالکل غیر
معیاری ہوتا ہے بلکہ ترجمہ کہلانے کے لائق نہیں ہوتا۔ لہذا ترجمہ کرتے وقت ان تمام چیزوں
کو سامنے رکھ کر فعل ماضی کا ترجمہ کیا جائے۔

فعل ماضی کی اقسام اور ان کا ترجمہ کرنے کا طریقہ ملاحظہ فرمائیں:

(1) پھلی قسم: فعل ماضی مطلق:

فعل ماضی مطلق کی تعریف یہ ہے کہ ایسا فعل جو دُور یا قریب کی قید کے بغیر مطلق
گزرے ہوئے زمانے میں کسی کام کے ہونے کو ظاہر کرے ماضی مطلق کہلاتا ہے اور ماضی
مطلق کے ترجمہ میں "ہے" نہیں آتا، مثلاً:

ضَرَبَ، اَکَلَ، ذَھَبَ: یہ فعل ماضی مطلق ہیں۔

اگر متکلم کا اس کلام کے ذریعے بلا تعیین وقت مطلق گزرے ہوئے زمانے میں کسی کام کا
کرنا یا ہونا بتانا مقصود ہے تو مذکورہ اصول کے مطابق ترجمہ یوں کریں گے:

ضَرَبَ زید: زید نے مارا۔ اَکَلَ زید: زید نے کھایا۔ ذَھَب زید: زید گیا۔

موقع کی مناسبت سے مختلف طریقوں سے فعل ماضی کا ترجمہ کرنے کی صورتیں:

(1): کبھی ماضی مطلق کے ترجمہ میں "ہے" بڑھانے سے عبارت کا مطلب واضح ہوجاتا ہے اور متکلم کے جذبہ کی عکاسی کرتا ہے۔

یعنی قرینہ پائے جانے کے وقت ضرورتاً فعل ماضی مطلق کے ترجمہ مین "ہے" کا لفظ لاتے ہیں جس کی مدد سے عبارت کا معنی ومفہوم واضح ہوجاتا ہے اور متکلم کی مراد واضح ہوجاتی ہے، مثلاً:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ:

ترجمہ کنزالایمان: جنہیں ہم نے کتاب دی ہے۔

اگر ایسے موقع پر "ہے" کا اضافہ نہ کیا جائے تو مطلب واضح نہیں ہوتا اور متکلم کے مقصود پر دلالت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ترجمہ کی روح ہی فوت ہوجاتی ہے۔

(2): کبھی فعل ماضی کے ترجمہ میں "رکھنا" کا لفظ بڑھانے سے ترجمہ میں حُسن پیدا ہوجاتا ہے۔

یعنی بعض اوقات قرینہ پائے جانے کے وقت موقع محل کے اعتبار سے فعل ماضی کے ترجمہ میں "رکھنا" کا لفظ بڑھانے سے معنوی اعتبار سے تاکیدی معنی پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے جس کے ذریعے سے عبارت کا معنی ومفہوم بھی واضح ہوجاتا ہے، مثلاً:

اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ:

ترجمہ کنزالایمان: تیار رکھی ہے کافروں کے لئے۔

جبکہ اصول کے مطابق اُعِدَّتْ کا معنی ہے: تیار کی گئی۔ مگر موقع کی مناسبت سے سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فعل ماضی مطلق کا یوں ترجمہ فرمایا: تیار رکھی ہے تو ایسا ترجمہ معیاری ادبی ترجمہ کہلائے گا۔

وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ:

ترجمہ کنزالایمان::اوران کے لئے تیارکرر کھے ہیں باغ۔

اَزْعَجَتْني القضيةُ كثيراً:

ایک مسئلہ نے مجھے بہت /بڑا پریشان کرر کھا ہے۔

نوٹ:

جس مقام پر فعل ماضی کااس طرح ترجمہ کرنامناسب ہواگرایسے موقع پر فعل ماضی کایوں ترجمہ نہ کیا جائے تو عبارت کا مطلب واضح نہیں ہوتااور متکلم کے مقصود پر دلالت نہیں ہوتی اور ترجمہ کاحسن بھی باقی نہیں رہتا۔

(3): کبھی ماضی کے ترجمہ میں "تھا" یا"چکا" کالفظ بڑھانے سے عبارت کا مطلب واضح ہوجاتاہے:

یعنی بعض اوقات قرینہ پائے جانے کے وقت موقع محل اور سیاق وسباق کےاعتبارسے فعل ماضی مطلق کے ترجمہ میں "تھا"یا"چکا" کالفظ بڑھانے سے عبارت کا دُرست معنی بن رہاہوتاہےاور متکلم کامقصود بھی واضح ہوجاتاہے، مثلاً:

مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ:

ترجمہ کنزالایمان: جہاں سےانہوں نے تمہیں نکالاتھا۔

هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ:

ترجمہ کنزالایمان: یہ تو وہی رزق ہے جوہمیں پہلے ملاتھا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا:

ترجمہ کنزالایمان: اللہ انہیں معاف فرماچکاہے۔

مات زید:

زیدمرچکاہے۔

نوٹ:

جس جگہ فعل ماضی کا یوں کرنا مناسب ہو، مثلاً: وہ مر چکا ہے، وہ گیا تھا۔ اگر ایسے موقع پر یوں ترجمہ نہ کیا جائے تو عبارت کا مطلب واضح نہیں ہوتا اور متکلم کے مقصود پر دلالت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ترجمہ کی روح ہی فوت ہو جاتی ہے اور ایسا ترجمہ غیر معیاری ترجمہ کہلاتا ہے۔

(4): فعل ماضی کے ترجمہ کے آخر میں "گیا" یا "لیا" یا "دیا" کا لفظ بڑھانے عبارت کا معنی واضح ہو جاتا ہے اور ترجمہ حسین اور دلکش ہو جاتا ہے:

یعنی بعض اوقات قرینہ اور سیاق وسباق کے اعتبار سے فعل ماضی کے ترجمہ کے آخر میں "گیا"، "لیا" یا "دیا" کا لفظ بڑھا دیتے ہیں جس کے ذریعے تاکیدی معنی پیدا کرنا اور کام کی تکمیل بتانا مقصود ہوتا ہے کہ یقیناً کام مکمل ہو چکا ہے، مثلاً:

فَعَلَ: یہ فعل ماضی مطلق ہے۔

اگر سیاق وسباق سے یہ واضح ہو جائے کہ یہاں متکلم کا کام کی تکمیل بتانا اور تاکیدی معنی پیدا کرنا مقصود ہے تو اس کا ترجمہ یوں کریں گے:

اس نے کام کر لیا۔

اگر کسی نے ایسے موقع پر اس فعل ماضی کا یوں ترجمہ کیا: اس نے کیا۔

تو ترجمہ کی روح ہی فوت ہو جائے گی اور ایسا ترجمہ غیر معیاری ترجمہ کہلائے گا۔

اَکَلَ، قَتَلَ: یہ فعل ماضی مطلق ہیں۔

اگر یہاں متکلم کا اس کلام کے ذریعے بلا تعیین وقت، مطلق گزرے ہوئے زمانے میں کام کا کرنا یا ہونا بتانا مقصود ہے تو پھر اس کا ترجمہ یوں کریں گے:

اس نے کھایا، اس نے قتل کیا۔

اور اگر اس فعل ماضی کے ذریعے کام کی تکمیل بتانا اور تاکیدی معنی پیدا کرنا مقصود ہے تو پھر اس کا ترجمہ یوں ہوگا:

اس نے کھالیا، اس نے قتل کر دیا۔

نوٹ:

جہاں فعل ماضی کا یوں ترجمہ کرنا مناسب ہو، مثلاً: قَتَلَ: اس نے قتل کر دیا۔ فَعَلَ: اس نے کام کرلیا۔ اگر ایسے موقع پر فعل ماضی کا یوں ترجمہ کیا: اس نے قتل کیا، اس نے کام کیا۔ تو ترجمہ کی روح ہی فوت ہو جائے گی اور غیر معیاری ترجمہ کہلائے گا۔

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ:

ترجمہ کنزالایمان: وہ ٹھیک راستہ بہک گیا۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ:

ترجمہ کنزالایمان: ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ:

ترجمہ کنزالایمان: اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا پھاڑ دیا تو تمہیں بچالیا اور فرعون والوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ:

ترجمہ کنزالایمان: پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معافی دی۔

وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا:

ترجمہ کنزالایمان: اور جو ہماری آیتیں جھٹلاتے تھے ان کی جڑ کاٹ دی۔

(5): بعض اوقات فعل ماضی کے ترجمہ میں "ے" یا "رہا" بڑھانے سے عبارت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے اور متکلم کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے:

یعنی قرینہ پائے جانے کے وقت موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے فعل ماضی کے ترجمہ میں "ے" یا "رہا" کا لفظ بڑھانے سے عبارت کا معنی اور متکلم کی مراد واضح ہو جاتی ہے، مثلاً:

الغریبُ ما رواہ راوٍ واحدٌ:

غریب وہ حدیث ہے جسے ایک راوی روایت کرے۔

لبثُ لیالِیَ:

میں کچھ راتیں رکا رہا۔

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِہِمۡ وَقَعَدُوۡا :

ترجمہ کنزالایمان: وہ جنھوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا اور آپ بیٹھ رہے۔

نوٹ:

جس جگہ فعل ماضی کا اس طرح ترجمہ کرنا مناسب معلوم ہو اور اس طریقہ کار کے مطابق ترجمہ نہیں کیا تو ایسا ترجمہ غیر معیاری ترجمہ کہلائے گا۔

(6): کبھی فعل ماضی کا زمانہ حال والا ترجمہ کرنا مناسب ہوتا ہے:

بعض اوقات فعل ماضی کے ذریعے استحضار مقصود ہوتا ہے۔ یعنی گزشتہ حالت و واقعہ کو مخاطَب کے سامنے لانا مقصود ہوتا ہے اس صورت میں موقع کی مناسبت سے فعل ماضی کا حال والا ترجمہ کیا جاتا ہے اور اسے حال حکائی بھی کہا جاتا ہے، مثلاً:

اَفِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ اَمِ ارۡتَابُوۡا:

ترجمہ کنزالایمان: کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک رکھتے ہیں۔

قال رسول الله: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَنجزَ حُرّ ما وَعَدَ:

شریف جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا کرتا ہے۔

نوٹ:

جس جگہ فعل ماضی کا حال والا ترجمہ کرنا مناسب ہو اگر وہاں حال والا ترجمہ نہ کیا جائے تو ایسا ترجمہ غیر معیاری ترجمہ کہلائے گا۔ لہذا فعل ماضی کا ترجمہ کرتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ کہاں ماضی کا حال والا ترجمہ کرنا بہتر ہے۔

(7): بسا اوقات فعل ماضی کا مستقبل والا ترجمہ کرنا مناسب ہوتا ہے:

بلاغت کا قاعدہ:

بعض اوقات یقین والا معنی پیدا کرنے کے لیے مستقبل کی بات کو فعل ماضی کے صیغہ
ے بیان کرتے ہیں تا کہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ اس بات کا مستقبل میں واقع ہونا یقینی
ہے اور اس صورت میں فعل ماضی کا مستقبل والا ترجمہ کریں گے۔

وَ عُرِضُوا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا:

ترجمہ کنز الایمان: اور سب تمہارے رب کے حضور پرا باندھے پیش ہوں گے۔

ان العهد كان مسئولا:

بیشک وعدے کے متعلق سوال ہوگا۔

سِيقَ المومنون الى الجنة:

مومنوں کو جنت کی طرف چلایا جائے گا۔

نوٹ:

ترجمہ کرتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ کہاں موقع کی مناسبت سے ماضی
مستقبل والا ترجمہ کیا جائے گا۔

فائدہ:

ترجمہ کرتے وقت اس بات کو بھی ملحوظ رکھا جائے کہ کہاں مہذب اور ادب واحترام
لے الفاظ استعمال کرنے ہیں اور کہاں نہیں:

سِيقَ المومنون الى الجنة:

مومنوں کو جنت کی طرف چلایا جائے گا۔

اب یہاں مومنوں کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرنا کہ مومنوں کو جنت کی طرف
انکا جائے گا تو مسلمانوں کے حق میں لفظ چلانے کی جگہ ہانکنا لفظ استعمال کرنا ان کی شان
کے خلاف ہے۔

سِيقَ المجرمون الى جهنم:

اس کا ترجمہ اس طرح کیا جائے گا:

مجرموں کو جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔

وجہ یہ ہے کہ جب کوئی بھی لفظ کسی جگہ لایا جاتا ہے تو اس کے ذریعہ کسی معنی کا اظہار کرنا بھی مقصود ہوتا ہے تو یہاں چلانے کی جگہ ہانکنا لفظ ذکر کیا کیونکہ اس کے ذریعے کافروں کی اہانت بیان کرنا بھی مقصود ہے۔

قاعدہ:

کلام عرب میں معروف ہے کہ جب فعل ماضی کا صیغہ دُعاء یا بد دُعاء کے لئے استعمال ہو تو عموماً مستقبل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، لہذا اس صورت میں بھی فعل ماضی کا مستقبل والا ترجمہ کیا جائے گا، مثلاً:

رَحِمَه اللهُ:

اللہ تعالی اس پر رحم کرے۔

(8): بسا اوقات فعل ماضی کا" کرسکتا" کے ساتھ ترجمہ کرنا مناسب ہوتا ہے:

یعنی بعض اوقات قرینہ پائے جانے کے وقت موقع محل کے اعتبار سے فعل ماضی کا" کرسکتا" کے ساتھ ترجمہ کرنے کی صورت میں عبارت کا معنی ومفہوم واضح ہوجاتا ہے اور متکلم کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے، مثلاً:

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ:

ترجمہ کنزالایمان: اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کردیتے ان کے دل نہ ملا سکتے

تنبیہ:

اس مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ سیاق وسباق اور موقع محل کے اعتبار سے فعل ماضی کا مختلف طریقوں سے ترجمہ کیا جاتا ہے، لہذا جیسا موقع محل (مُقْتَضَى الحال) تقاضا کرے موقع کی مناسبت سے ویسے ہی فعل ماضی کا ترجمہ کیا جائے۔ جبکہ بعض طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ فعل ماضی کا ترجمہ صرف ایک ہی طریقے سے ہوتا ہے حالانکہ حقیقۃً ایسا نہیں ہے۔

(2): فعل ماضی کی دوسری قسم :فعل ماضی قریب:

فعل ماضی قریب کی تعریف یہ ہے کہ قریب کے گزرے ہوئے زمانے میں کسی کام کا کرنا یا ہونا پایا جائے اُسے فعل ماضی قریب کہا جاتا ہے۔

عربی زبان میں فعل ماضی مطلق سے پہلے قَـدْ لگا دیں تو کبھی قَـدْ: ماضی قریب کا معنی دیتا ہے اور فعل ماضی قریب کے ترجمہ میں لفظ "ہے" استعمال ہوتا ہے، مثلاً:

قَدْ اَكَلَ زيد:

اگر متکلم فعل ماضی پر لفظِ "قَـــدْ" داخل کر کے قریب کے زمانے میں کسی کام کا کرنا یا ہونا بتانا چاہتا ہے تو ایسا فعل فعل ماضی قریب کہلائے گا اور اس کا ترجمہ یوں ہوگا: زید نے کھایا ہے۔ گویا فعل ماضی قریب یہ بتاتا ہے کہ ابھی کچھ دیر پہلے یہ کام ہوا ہے یعنی زید نے ابھی کھایا ہے۔

قَدْ ضَرَبَ زيد:

اگر متکلم کا اس فعل ماضی پر لفظِ "قَدْ" داخل کر کے قریب کے زمانے میں کسی کام کا کرنا یا ہونا بتانا مقصود ہے کہ ابھی کچھ دیر پہلے کام ہوا ہے تو پھر یہ فعل: ماضی قریب کہلائے گا اور اس کا ترجمہ یوں ہوگا: زید نے مارا ہے یعنی زید نے ابھی مارا ہے۔

لفظِ "قَدْ" کا دوسرا معنی:

لفظِ "قَـد" جب فعل ماضی پر داخل ہو تو کبھی تحقیق کا معنی دیتا ہے اور جب لفظِ "قَـدْ" تحقیق کے معنی میں استعمال ہو تو اس کا ترجمہ: "**بے شک**" سے کیا جاتا ہے: مثلاً:

قرآن پاک میں ہے: وَلَقَدْ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ:

یہاں لفظِ "قَدْ" تحقیق کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے، لہذا اب ترجمہ یوں ہوگا:

ترجمہ کنز الایمان: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی۔

قَدْ اَكَلَ زيد:

اگر متکلم کا فعل ماضی پر لفظِ "قَـدْ" داخل کر کے صرف تحقیق والا معنی پیدا کرنا مقصود ہے

یعنی لفظ "قَـدْ" کو صرف تحقیق کے معنی میں استعمال کرنا مقصود ہے تو اس کے ترجمہ میں "بے شک" کا لفظ آئے گا، لہذا اب اس عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا: بیشک زید نے کھایا۔

نوٹ:

قَدْ اَکَلَ زید:

اگر متکلم لفظ: قَـدْ ذکر کر کے قریب کے زمانے میں کسی کام کا کرنا یا ہونا بھی بتانا چاہتا ہو اور تحقیق والا معنی مراد لینا بھی مقصود ہو تو پھر اس عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا: بے شک زید نے کھالیا ہے۔

لہذا جب فعل ماضی پر لفظ "قَـدْ" داخل ہو تو موقع کی مناسبت سے اس کے معنی کا فیصلہ کر کے لفظ "قَدْ" کا ترجمہ کیا جائے۔

جبکہ ترجمہ کرتے وقت بعض طلباء کی اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی اور نہ ہی اُنہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب فعل ماضی پر لفظ "قَـــدْ" داخل ہو تو کتنے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ کتنے طریقوں سے ہوتا ہے، اِن چیزوں کو جانے بغیر ہی ترجمہ کرنا شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اوقات عبارت کا معنی ہی فاسد ہو جاتا ہے۔

(3): تیسری قسم: فعل ماضی بعید:

دُور کے گزرے ہوئے زمانے میں کسی کام کا کرنا یا ہونا پایا جائے تو اُسے ماضی بعید کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں فعل ماضی سے پہلے "کَـــانَ" آجائے تو اسے فعل ماضی بعید کہا جاتا ہے۔ اور ماضی بعید کے ترجمہ میں "تھا" یا" چکا" کا لفظ آتا ہے، مثلاً:

کانَ اَکَلَ زید:

یہ فعل ماضی بعید ہے، گویا متکلم اس کلام کے ذریعے یہ بتانا چاہتا ہے کہ کام کو ختم ہوئے ایک وقت گزر چکا ہے۔ لہذا اس فعل ماضی بعید کا ترجمہ یوں ہوگا:

زید نے کھایا تھا/ زید کھا چکا۔

كُنْتُ قُلْتُ لَکَ:

یہ بھی فعل ماضی بعید ہے کہ اس کلام کے ذریعے بھی دُور کے زمانے میں کام کا کرنا یا ہونا بتانا مقصود ہے، لہذا اس کا ماضی بعید والا ترجمہ یوں ہوگا:

میں نے آپ سے کہا تھا۔ گویا فعل ماضی بعید یہ بتاتا ہے کہ یہ کام بہت پہلے ہوا تھا۔

(4): چوتھی قسم: ماضی استمراری:

ایسا فعل جو گزرے ہوئے زمانے میں کسی کام کے بار بار ہونے یا جاری رہنے کو ظاہر کرے اُسے ماضی استمراری کہتے ہیں (اسے ماضی ناتمام بھی کہا جاتا ہے) اور عربی زبان میں فعل مضارع سے پہلے کَانَ لگا دیں تو ماضی استمراری کا معنی دیتا ہے۔ اور اُردو میں ماضی استمراری کا ترجمہ کرتے وقت "تا تھا" یا "رہا تھا" کا لفظ بڑھاتے ہیں، مثلاً:

كَانَ يَاْكُلُ زيد:

یہ فعل ماضی استمراری ہے، گویا متکلم اس کلام کے ذریعے یہ بتانا چاہتا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں یہ کام جاری تھا، لہذا اس فعل ماضی استمراری کا ترجمہ یوں ہوگا:

زید کھاتا تھا/ زید کھا رہا تھا۔

لٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ:

ترجمہ کنزالایمان: ہاں اپنی ہی جانوں کا بگاڑ کرتے تھے۔

(5): پانچویں قسم: ماضی شکی:

گزرے ہوئے زمانے میں کسی کام کا کرنا یا ہونا شک کے ساتھ پایا جائے تو اسے ماضی شکی کہا جاتا ہے۔

اور عربی زبان میں فعل ماضی کے صیغوں سے پہلے انہیں کی مناسبت سے يَكُوْنُ کے صیغے لگا دیں تو فعل ماضی میں کام کے غیر یقینی ہونے کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں یعنی وہ فعل ماضی ماضی شکی بن جاتا ہے اور ماضی شکی کے ترجمہ میں "ہوگا" یا "شاید" کا لفظ آتا ہے، مثلاً:

يَكُوْن اَكَلَ زيد:

یہ فعل ماضی شکی ہے، لہذا اب اس فعل ماضی شکی کا ترجمہ یوں ہوگا:

زید نے کھایا ہوگا / شاید زید نے کھایا ہوگا۔

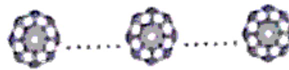
(6): چھٹی قسم: ماضی تمنائی:

یعنی گزرے ہوئے زمانے میں کسی کام کے کرنے یا ہونے کی تمنا کی جائے تو اُسے ماضی تمنائی کہتے ہیں۔ اور عربی زبان میں فعل ماضی کے صیغوں سے پہلے انہیں کی مناسبت سے لَیْتَہ کے صیغے لگا دیں تو ماضی تمنائی بن جاتا ہے۔ اور اُردو زبان میں ماضی تمنائی کے ترجمہ میں "کاش" اور "تا" بڑھا دیتے ہیں، مثلاً:

لَیْتَہ ذَھَبَ:

یہ فعل ماضی تمنائی ہے، لہذا اب اس کا تمنائی والا ترجمہ یوں ہوگا

وہ جاتا / کاش وہ جاتا۔



﴿چودہویں فصل﴾



مختلف طریقوں سے فعل مضارع کا ترجمہ کرنے کے بارے میں

قرینہ پائے جانے کے وقت موقع محل دیکھ کر فعل مضارع کا مختلف طریقوں سے ترجمہ کیا جاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

کبھی فعل مضارع حال کا معنی دیتا ہے اور کبھی مستقبل کا معنی دیتا ہے، لہذا فعل مضارع کا ترجمہ کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ موقع محل کے اعتبار سے کس جگہ فعل مضارع کا حال والا ترجمہ کرنا بہتر ہے اور کہاں مستقبل والا ترجمہ کیا جائے؟

جس جگہ فعل مضارع کا حال والا ترجمہ کرنا مناسب ہو وہاں حال والا ہی ترجمہ کریں گے مستقبل والا ترجمہ نہیں کریں گے اور جس مقام پر فعل مضارع کا مستقبل والا ترجمہ کرنا مناسب ہو وہاں مستقبل والا ترجمہ کریں گے حال والا ترجمہ نہیں کریں گے۔

نوٹ:

حال کے ذریعے موجودہ زمانہ کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے مگر بسا اوقات فعل حال صرف زمانہ حال کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ زمانہ حال کے ساتھ ساتھ اس میں کئی قسم کے معانی کی جھلک پائی جاتی ہے یعنی بسا اوقات زمانہ حال بھی اپنے اندر جُدا جُدا معنی و مفہوم رکھتا ہے۔

لہذا جب موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے حال والا ترجمہ کریں تو یہ بھی پتہ ہونا چاہیے کہ حال کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کا ترجمہ کس طرح کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے آپ کے سامنے حال کی اقسام اور ان کا ترجمہ کرنے کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے:

حال کی اقسام

(1): پہلی قسم: حال مطلق:

حال مطلق عام طور پر زمانہ حال بلا تخصیص ظاہر کرتا ہے۔ یعنی موجودہ حالت کو ظاہر کرتا ہے یا ایسے کام کو ظاہر کرتا ہے جو اس وقت ہو رہا ہو اور اُردو زبان میں حال مطلق کا ترجمہ "تا ہے" یا "تا" کے ساتھ کیا جاتا ہے، جیسے:

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ:

یہاں موقع محل کے اعتبار سے فعل مضارع کا حال مطلق والا ترجمہ کریں گے:

ترجمہ کنز الایمان: کیا نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر

کرتے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ:

ترجمہ کنز الایمان: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت۔

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ:

ترجمہ کنز الایمان: اور اللہ روزی دیتا ہے جسے چاہے بے گنتی۔

فائدہ:

اُردو قواعد کے مطابق عام طور پر "تا ہے" یا "تا" موجودہ حالت کو ظاہر کرتا ہے یا ایسے کام کو ظاہر کرتا ہے جو اس وقت ہو رہا ہو۔

مگر بسا اوقات "تا ہے" مستقبل قریب کا معنی دیتا ہے۔

اور کبھی "تا ہے" عادت اور تکرارِ فعل کو ظاہر کرتا ہے۔

يَقْرَأُ:

معنوی اعتبار سے اس عبارت میں تین احتمال ہیں:

(1): اگر متکلم کا فعل مضارع لا کر زمانہ حال بلا تخصیص ظاہر کرنا مقصود ہے یعنی موجودہ حالت کو ظاہر کرنا مقصود ہے تو اس صورت میں فعل مضارع کا حال مطلق والا ترجمہ ہوگا اور اس کے ترجمہ میں "تا ہے" آئے گا لہٰذا اب اس عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا: وہ پڑھتا ہے۔

(2): اگر متکلم فعل مضارع لا کر مستقبل قریب میں کام کا واقع ہونا بتانا چاہتا ہے تو اس صورت میں بھی مذکورہ اصول کے مطابق مضارع کا حال مطلق والا ترجمہ یوں ہو سکتا ہے: وہ پڑھتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ ابھی پڑھے گا۔

(3): اگر متکلم کا فعل مضارع لا کر عادت اور تکرارِ فعل بتانا مقصود ہے تو اس صورت میں بھی مذکورہ اصول کے مطابق فعل مضارع کا حال مطلق والا ترجمہ یوں ہو سکتا ہے: وہ پڑھتا

ہے۔مطلب یہ کہ وہ پڑھتا رہتا ہے/اس کی پڑھنے کی عادت ہے۔

تنبیہ:

حال مطلق والا ترجمہ کرتے وقت اس طرف بھی توجہ کرنی چاہیے کہ موقع محل کے اعتبار سے "تا ہے" کے ساتھ ترجمہ کرنا زیادہ دلکش ہے یا صرف "تا" کے ساتھ۔جبکہ ترجمہ کرتے وقت بعض طلبہ کی اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی۔

نوٹ:

کبھی موقع کی مناسبت سے حال مطلق کا اس طرح ترجمہ کرنا مناسب ہوتا ہے، مثلاً:

اگر کسی کا روزہ ہو اور وہ اپنا روزہ دار ہونا بتانا چاہتا ہے اور وہ یہ کہے:

اَصُوْمُ:

تو محاورتی تعبیر کے مطابق اس کا اس طرح ترجمہ کرنا مناسب ہوگا: میں روزے سے ہوں/میرا روزہ ہے۔

اگر کسی نے ایسے موقع پر اس کا یوں ترجمہ کیا:

میں روزہ رکھتا ہوں۔

تو یہ ترجمہ وہ تاثر اور مفہوم پیش نہیں کررہا جو متکلم ادا کرنا چاہتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی کو اپنا سبق یاد ہو اور وہ اپنا سبق یاد ہونا بتانا چاہتا ہے اور وہ کہے:

اَحفِظُ الدرسَ:

تو محاورتی تعبیر کے مطابق اس کا ترجمہ یوں ہوگا: مجھے سبق یاد ہے۔

مگر ایسے موقع پر اس کا یوں ترجمہ کرنا مناسب نہیں ہے:

میں سبق یاد کرتا ہوں۔

کیونکہ ان دونوں تعبیرات: (میں سبق یاد کرتا ہوں اور مجھے سبق یاد ہے) کے استعمال میں بھی فرق ہے۔لہذا قرینہ پائے جانے کے وقت موقع کی مناسبت سے فعل مضارع کا

ترجمہ کیا جائے۔

بسا اوقات موقع محل کے اعتبار سے حال مطلق کا یوں ترجمہ کیا جاتا ہے، جیسے:

یُسْتَحَبّ الوُضُوءُ لِذِکْرِ الله:

یہاں یُسْتَحَبّ فعل کا لغوی معنی (پسند کرنا) مراد نہیں بلکہ اس کا شرعی معنی (مستحب قرار دینا) مراد ہے:

لفظی ترجمہ: مستحب قرار دیا جاتا ہے وضو کرنا اللہ کے ذکر کے لیے۔

بامحاورہ ترجمہ / ادبی ترجمہ:

محاورتی تعبیر کے مطابق اس عبارت کا معیاری ادبی ترجمہ یوں کرنا چاہیے:

اللہ کے ذکر کے لیے وضو کرنا مستحب ہے۔

یُسَنّ لِلصائمِ السُّحُورُ:

یہاں یُسَنّ فعل کا لغوی معنی (طریقہ جاری کرنا) مقصود نہیں بلکہ اس کا شرعی معنی (سنت قرار دینا) مراد ہے:

لفظی ترجمہ: سنت قرار دیا جاتا ہے روزہ دار کے لیے سحری کھانا۔

بامحاورہ ترجمہ / معیاری ادبی ترجمہ:

مگر محاورتی تعبیر کے مطابق بامحاورہ ترجمہ یوں کیا جاتا ہے:

روزہ دار کے لیے سحری کرنا سنت ہے۔

(2) دوسری قسم: حال ناتمام/حال استمراری:

اگر کسی کام کا مسلسل جاری رہنا (لگاتار ہونا) پایا جائے (یعنی وہ فعل جو زمانہ حال میں کسی کام کے بار بار ہونے یا جاری رہنے کو ظاہر کرے) تو اسے حال ناتمام کہا جاتا ہے اور اسے حال استمراری بھی کہا جاتا ہے۔

اُردو زبان میں حال ناتمام / حال استمراری کا ترجمہ: "رہا ہے" یا "جاتا ہے" کے ساتھ

کیا جاتا ہے، جیسے:

یُصلِّی زید:

اگر متکلم کا فعل مضارع لا کر کام کا مسلسل جاری رہنا (لگاتار ہونا) بتانا مقصود ہے کہ کام جاری ہے ابھی ختم نہیں ہوا تو اس صورت میں اس مضارع کا حال استمراری والا ترجمہ کریں گے اور حال استمراری مراد ہونے کی صورت میں فعل مضارع کے ترجمہ میں "رہا ہے" یا "جاتا ہے" آتا ہے، لہذا اب اس عبارت کا ترجمہ کریں گے، جیسے:

زید نماز پڑھ رہا ہے/ زید نماز پڑھے جاتا ہے۔

كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ:

ترجمہ کنز الایمان: گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے۔

يَكْتُبُ:

حال استمراری مراد ہونے کی صورت میں اس اس فعل مضارع کا ترجمہ یوں ہوگا:

وہ لکھ رہا ہے/ وہ لکھے جاتا ہے/ وہ لکھے جا رہا ہے۔

نوٹ:

بسا اوقات اردو میں حال جاری/استمراری کو مستقبل کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

یذھب غداً:

وہ کل جا رہا ہے۔

اس جملے میں اگر فعل کو دیکھا جائے تو وہ حال جاری معلوم ہوتا ہے لیکن اصل میں مستقبل کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

فائدہ:

بعض اوقات موقع کی مناسبت سے حال استمراری کے ترجمہ میں: "تا رہتا ہے" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ترجمہ خوبصورت ہو جاتا ہے اور درست انداز میں متکلم

کے جذبات کی عکاسی کر رہا ہوتا ہے جیسے:

نَخُبُرُ مِن یدَیکَ عَجائبا:

یہاں حال استمراری والا ترجمہ کرنے کی صورت میں متکلم کا مقصود ظاہر ہوگا:

تیرے ہاتھوں سے ظاہر ہونے والی عجیب وغریب چیزیں ہم دیکھتے رہتے ہیں۔

اگر ایسے موقع پر کسی نے یوں ترجمہ کیا:

تیرے ہاتھوں سے ظاہر ہونے والی عجیب وغریب چیزیں ہم دیکھتے ہیں یا ہم دیکھ رہے ہیں۔ تو یہ ترجمہ اپنا حُسن کھودے گا اور غیر معیاری ترجمہ کہلائے گا۔

(3): تیسری قسم: حال احتمالی:

اس کے استعمال کی تین صورتیں ہیں:

(1): جب زمانہ حال میں کام کے واقع ہونے کا احتمال/شک ہو۔

(2): جب زمانہ حال میں کام کے واقع ہونے کے بارے میں گمان ہو۔

(3): جب وہ کام جو زمانہ حال میں عادتاً یا قاعدہ طور پر ہوتا ہے اور یقینی طور پر پتا بھی ہے کہ وہ کام ہوتا ہے اس کے باوجود حال احتمالی استعمال کرتے ہیں کیونکہ بسا اوقات اس سے لاتعلقی ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے یا توہین/تحقیر کے طور پر بات کرنی ہوتی ہے۔ فعل کے وقوع کے متعلق گمان ظاہر کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

حال احتمالی مراد ہونے کی صورت میں موقع کی مناسبت سے فعل مضارع کا ترجمہ "تا ہو" یا "تا ہوگا" یا "رہا ہو" یا "رہا ہوگا" کے ساتھ کرتے ہیں۔

یَأتِي:

اگر متکلم فعل مضارع لاکر یہ بتانا چاہتا ہے کہ میرا غالب گمان (ظن غالب) ہے کہ کام زمانہ حال میں جاری ہے (یعنی زمانہ حال میں کام واقع ہونے کا احتمال ظاہر کرنا چاہتا ہو) تو اس صورت میں اس فعل مضارع کا حال احتمالی والا ترجمہ یوں ہوگا:

یَاْتِي: وہ آتا ہوگا/ وہ آرہا ہوگا۔

یاکُل: وہ کھاتا ہو/ وہ کھارہا ہو۔

(4): بعض اوقات فعل مضارع کا " کرسکتا ہے " کے ساتھ ترجمہ کرنا مناسب ہوتا ہے:

یعنی بعض اوقات قرینہ پائے جانے کے وقت موقع محل کے اعتبار سے فعل مضارع کے ترجمہ میں " کرسکتا ہے " کا اضافہ کرنے سے عبارت کا معنی ومفہوم واضح ہوجاتا ہے اور متکلم کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے، مثلاً:

یَضْرِبُ زید:

اگر متکلم کا فعل مضارع لاکر یہ بتانا مقصود ہے کہ زید مارنے کی طاقت وقدرت رکھتا ہے یا مارنے کے امکان کو بیان کرنا مقصود ہے تو اس صورت میں اس فعل مضارع کے ترجمہ میں " کرسکتا ہے " آئے گا، لہذا اب مذکورہ عبارت کا ترجمہ یوں کریں گے:

زید مارسکتا ہے۔

یُقال:

اگر متکلم کا فعل مضارع لاکر صرف امکان ظاہر کرنا مقصود ہے تو اس کا ترجمہ ہوگا:

کہا جاسکتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہاں یہ تعبیر بیانِ امکان کے لئے ہے۔

لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی:

ترجمہ کنز الایمان: عالَمِ بالا کی طرف کان نہیں لگاسکتے۔

یہ یاد رہے کہ بعض جگہ اس طرح کا ترجمہ کرنے سے عبارت کا معنی ومفہوم زیادہ واضح ہوجاتا ہے اور اگر ایسے موقع پر فعل مضارع کا ان الفاظ میں ترجمہ کیا:

زید مارتا ہے یا اس طرح ترجمہ کیا: زید مارے گا۔ تو اس طرح کا ترجمہ کرنے سے ترجمہ کی روح ہی فوت ہوجائے گی اور متکلم کے جذبات کی عکاسی نہیں ہوگی جس کی وجہ سے ایسا ترجمہ غیر معیاری ترجمہ کہلائے گا۔

وضاحت:

جب یہ کہا جائے: وہ یہ کام کرسکتا ہے۔وہ پڑھ سکتا ہے۔تو " کرسکتا ہے " کا مطلب ہے: قابلیت ہونا،قوت ہونا،ممکن ہونا۔

معنوی اعتبار سے اس مفہوم میں دو احتمال پائے جاتے ہیں:

(1):اس قسم کی تعبیر کے ذریعے کبھی یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس میں یہ کام کرنے کی صلاحیت،طاقت وقدرت ہے۔

(2): کبھی امکان بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔یعنی یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ کام کرنا اس کے لئے ممکن ہے۔

دوسرا یہ کہ: کرسکنے کو کرنا لازم نہیں ہے۔اسی طرح: ہوسکنے کو ہونا لازم نہیں ہے۔

(بحوالہ اردو لغت بورڈ، کراچی جلد 11،ص848)۔

زمانہ مستقبل:

فعل مضارع کبھی مستقبل کا معنیٰ دیتا ہے،مطلب یہ کہ بسا اوقات فعل مضارع کا مستقبل والا ترجمہ کرنے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنیٰ بنتا ہے اور متکلم کے مقصود پر دلالت ہوتی ہے تو اس صورت میں فعل مضارع کا زمانہ مستقبل والا ترجمہ کریں گے حال والا ترجمہ نہیں کریں گے۔

مُسْتَقبَل: دراصل عربی زَبان کا لفظ ہے باء کے فتحہ کے ساتھ۔لیکن اُردو تلفظ میں لفظ مُسْتَقْبِل باء کے زیر کے ساتھ رائج ہو چکا ہے۔بحوالہ کتاب شعریات،نصیر ترابی۔

مستقبل کی تعریف:

آنے والے زمانہ میں کام کا کرنا یا ہونا سمجھا جائے تو اسے مستقبل کہتے ہیں۔

مستقبل کی دو قسمیں ہیں:

(1): مستقبل مطلق (2): مستقبل دَوامی (مستقبل استمراری)۔

اگر سیاق وسباق کے اعتبار سے فعل مضارع کا مستقبل والا ترجمہ کرنا مناسب معلوم ہو

تو ترجمہ کرتے وقت اس بات کا بھی تعین کیا جائے کہ موقع محل کے اعتبار سے فعل مضارع کا مستقبل مطلق والا ترجمہ کیا جائے یا مستقبل استمراری والا ترجمہ کیا جائے۔

(1): پہلی قسم: مستقبِل مُطلَق:

اگر محض آنے والے زمانہ میں کام کا کرنا یا ہونا سمجھا جائے تو مستقبل مطلق کہا جاتا ہے اور مستقبل مطلق مراد ہونے کی صورت میں فعل مضارع کے ترجمہ میں "ے گا" یا "ئے گا" آتا ہے۔

یُصَلِّی زید:

اگر متکلم فعل مضارع ذکر کر کے محض آنے والے زمانہ میں کام کا واقع ہونا بتانا چاہتا ہے تو اس صورت میں فعل مضارع کا مستقبل مطلق والا ترجمہ کریں گے:

یُصَلِّی زید: زید نماز پڑھے گا۔

یاکُل: وہ کھائے گا۔

یَذْھب: وہ جائے گا۔

ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ:

ترجمہ کنز الایمان: پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جلائے گا پھر اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے۔

بعض اوقات فعل مضارع کا مصدری معنی والا ترجمہ کرنا مناسب ہوتا ہے

اگر فعل مضارع لا کر آنے والے زمانہ میں کام کا واقع ہونا بتانا اور تاکیدی معنی پیدا کرنا بھی مقصود ہو (مطلب یہ کہ فعل مضارع لا کر یہ بتانا چاہتا ہو کہ آنے والے زمانہ میں یہ کام ضرور ہونا ہے) تو اس صورت میں بسا اوقات موقع محل کے اعتبار سے مضارع کا مصدری معنی والا ترجمہ کیا جا سکتا ہے، مثلاً:

وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ:

ترجمہ کنزالایمان: اور تمہیں اسی کی طرف پھر جانا۔

موقع کی مناسبت سے اس عبارت کا یوں ترجمہ بھی کیا جا سکتا ہے:

اور اسی کی طرف پھرو گے۔

وَ اِلَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ:

ترجمہ کنزالایمان: اور ہماری ہی طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے

یَذۡھَبُ:

اُسے جانا ہے (یعنی وہ ضرور جائے گا)۔

ان مثالوں میں لفظ "نا" مستقبل مطلق کا معنی بھی دے رہا ہے اور اس سے تاکیدی معنی بھی نکل رہے ہیں۔

وضاحت:

"وہ جائے گا": یہ ترجمہ صرف مستقبل مطلق کا معنی دے رہا ہے۔

"اُسے جانا ہے": ترجمہ کی یہ تعبیر مستقبل مطلق کا معنی بھی دے رہی ہے اور تاکیدی معنی بھی پیدا کر رہی ہے۔

مطلب یہ کہ پہلی تعبیر: "وہ جائے گا" میں شدت و تاکید نہیں ہے جبکہ دوسری تعبیر "اُسے جانا ہے" میں شدت و تاکید والا معنی بھی ہے۔

تنبیہ:

فعل مضارع کا ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ موقع محل کے اعتبار سے کس جگہ مستقبل مطلق کا اس تعبیر مثلاً: (وہ جائے گا) کے ساتھ ترجمہ کرنا مناسب ہے اور کہاں مستقبل مطلق کا اس تعبیر مثلاً: (اُسے جانا ہے) کے ساتھ ترجمہ کرنا مناسب ہے۔ جبکہ ترجمہ کرتے وقت بعض حضرات کی اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی۔

بعض اوقات فعل مضارع کا "والا" کے ساتھ ترجمہ کرنا

مناسب ہوتا ہے

بعض اوقات موقع کی مناسبت سے فعل مضارع کا "والا" کے ساتھ ترجمہ کرنے سے عبارت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کیونکہ اُردو قواعد کے مطابق "والا" کا لفظ بھی مستقبل کا معنی دیتا ہے اور اس کے ذریعے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ قریب کے آئندہ زمانے میں کام واقع ہوگا، مثلاً:

یَاْتِیْ زید:

اگر فعل مضارع لا کر قریب کے آئندہ زمانے میں کام کا واقع ہونا بتانا مقصود ہو تو اس صورت میں فعل مضارع کا اس طرح بھی ترجمہ کر سکتے ہیں:

یَاْتِیْ زید: زید آنے والا ہے یعنی زید ابھی آئے گا۔

کبھی موقع کی مناسبت سے فعل مضارع کا "ے "یا"یں"کے ساتھ ترجمہ کرنا مناسب ہوتا ہے

قرینہ پائے جانے کے وقت موقع محل کے اعتبار سے فعل مضارع کا "ے "یا"یں" کے ساتھ ترجمہ کرنے سے عبارت کا معنی اور متکلم کا مقصود واضح ہو جاتا ہے اور ترجمہ میں حُسن پیدا ہو جاتا ہے، مثلاً:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهٰلَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ:

ترجمہ کنز الایمان: وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا ہے وہ انہیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر تھوڑی ہی دیر میں توبہ کر لیں۔

اِحْرِصْ علی ما یَنْفَعُکَ:

وہ چیز جو تجھے فائدہ دے اسے حاصل کرنے کی کوشش کر۔

اگر کوئی یَنْفَعُکَ کا یوں ترجمہ کرے:

جو تجھے فائدہ دیتی ہے۔ یا یوں ترجمہ کرے: جو تجھے فائدہ دے گی۔

تو ترجمہ کا حُسن باقی نہیں رہے گا، لہذا فعل مضارع کا ترجمہ کرتے وقت اس بات کا بھی

خیال رکھا جائے۔

فَإِنَّ اللهَ لاَ يَهْدِیُ مَنْ يُّضِلُّ:

ترجمہ کنزالایمان: تو بیشک اللہ ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کرے۔

كيف نُساعِدُ الاطفالَ؟

ہم بچوں کی مدد کیسے کریں؟

بسا اوقات فعل مضارع کا "دیتا ہے" یا "دے گا" کے لفظ کے ساتھ ترجمہ کرنا مناسب ہوتا ہے

بسا اوقات قرینہ پائے جانے کے وقت موقع محل کے اعتبار سے فعل مضارع کے ترجمہ کے آخر میں "دیتا ہے" یا "دے گا" کا لفظ بڑھا دیتے ہیں جس کے ذریعے تاکیدی معنی پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے اور متکلم کا مقصود بھی واضح ہو جاتا ہے، مثلاً:

وَيَغْفِرُ لَكُمْ:

ترجمہ کنزالایمان: اور تمہیں بخش دے گا۔

فَاللهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ:

ترجمہ کنزالایمان: تو اللہ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کردے گا۔

فإنَّ لَوْ تَفْتَحُ عمَلَ الشيطان:

لفظ "اگر" شیطان کا راستہ کھول دیتا ہے۔

نوٹ:

شیطان کا راستہ کھولتا ہے اور کھول دیتا ہے: ان دونوں تعبیرات کے استعمال میں بھی فرق ہے۔ "کھولتا ہے": ترجمہ کی یہ تعبیر بلا تخصیص زمانہ حال ظاہر کر رہی ہے اس میں شدت اور تاکیدی معنی نہیں ہے۔

"کھول دیتا ہے": ترجمہ کی یہ تعبیر بلا تخصیص زمانہ حال بھی ظاہر کر رہی ہے اور اس میں شدت اور تاکیدی معنی بھی پایا جاتا ہے۔ لہذا ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ کہاں کس

تعبیر کے ساتھ ترجمہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

(2): دوسری قسم: مستقبِل دَوامی/مستقبل استمراری:

جس فعل سے آئندہ زمانے میں کام کا جاری رہنا سمجھا جائے تو اسے مستقبل دَوامی اور مستقبل استمراری بھی کہا جاتا ہے۔ مستقبل استمراری مراد ہونے کی صورت میں فعل مضارع کا ترجمہ "رہے گا" کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

نُسَافِرُ فِی سبیل الله:

اگر متکلم فعل مضارع لاکر یہ بتانا چاہتا ہے کہ سفر کا فعل آئندہ زمانے میں جاری رہے گا تو اس صورت میں فعل مضارع کا مستقبل استمراری والا ترجمہ کریں گے لہذا اب اس عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا:

ہم راہِ خدا عزوجل میں سفر کرتے رہیں گے۔

اگر کسی نے ایسے موقع پر اس فعل مضارع کا مستقبل مطلق والا ترجمہ کیا:

ہم راہِ خدا عزوجل میں سفر کریں گے۔

تو متکلم کا مقصود ادا نہیں ہوگا بلکہ ترجمہ کی روح ہی فوت ہو جائے گی اور ایسا ترجمہ غیر معیاری ترجمہ کہلائے گا۔

کبھی لفظ: "رہے گا" سے ایک قسم کا استغناء بھی سمجھا جاتا ہے

اگر فعل مضارع لاکر ایک قسم کا استغنا (بے پرواہی) ظاہر کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں بھی فعل مضارع کا ترجمہ "رہے گا" کے ساتھ کیا جا سکتا ہے، مثلاً:

اُسْکُتْ یَقْرَأُ بنفسه:

آپ چپ رہیے وہ خود پڑھتا رہے گا۔

اِذْهَبْ یَفْعَلُ:

آپ جائیے وہ کرتا رہے گا۔

ان مثالوں میں لفظ: "رہے گا" استغنا کا معنی دے رہاہے، مستقبل دوامی کا معنی نہیں دے رہا۔لہذا ترجمہ کرتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جائے۔

کبھی فعل مضارع کا امر والا ترجمہ کرنا دلکش ہوتاہے

کبھی موقع محل کے اعتبار سے فعل مضارع کا امر والا ترجمہ کرنے سے عبارت کا معنی ومفہوم واضح ہوجاتا ہے اور متکلم کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے اور ترجمہ دلکش ہوجاتا ہے۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ:

ترجمہ کنز الایمان: اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو۔

تنبیہ:

معلوم ہوا: فعل مضارع کا مختلف طریقوں سے ترجمہ کیا جاتا ہے اور ان مختلف طریقوں کے استعمال میں بھی فرق ہے اور یہ فرق اسی وقت معلوم ہوسکتا ہے جب ہم اُردو ادب سے واقف ہوں گے۔

یہ یاد رہے: ہر جگہ فعل مضارع کا ترجمہ صرف ایک ہی طریقے سے کرنا دُرست نہیں ہے جیسا کہ بعض طلبہ سمجھتے ہیں کہ فعل مضارع کا ترجمہ صرف ان ہی دو طریقوں سے ہوتا ہے مثلاً: کرتا ہے یا کرے گا۔وجہ یہ ہی ہے کہ ترجمہ کے اصول وآداب کی طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی، اِن چیزوں کو سمجھے اور سیکھے بغیر ہی ترجمہ کرنا شروع کردیتے ہیں جس کی وجہ سے ترجمہ کا حُسن باقی نہیں رہتا اور ترجمہ کی روح ہی فوت ہوجاتی ہے۔

نوٹ:

فعل مضارع کا ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ قرینہ پائے جانے کے وقت موقع کی مناسبت سے فعل مضارع کا مذکورہ مختلف تعبیرات میں سے کس تعبیر کے ساتھ ترجمہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔موقع محل کے اعتبار سے جس تعبیر کے ساتھ ترجمہ کرنا زیادہ مناسب

معلوم ہوا اُسی تعبیر کے ساتھ ترجمہ کیا جایائے۔

لام جحود کا ترجمہ کرنے کا طریقہ:

لام جحود سے پہلے نفی کا ہونا ضروری ہے، یہ فعل مضارع پر داخل ہوکر اسے نصب دیتاہے اور معنوی اعتبار سے نفی وانکار میں تاکید پیدا کرتا ہے، موقع محل کے اعتبار سے اس کا ترجمہ اِن مختلف تعبیرات کے ساتھ کیا جاتا ہے جیسے:

وما کان اللهُ لِیُطْلِعَکُم علی الغَیب:

(1): اوراللہ کی شان یہ نہیں اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے دے۔

(2): وراللہ تمہیں غیب پر مطلع فرمانے والانہیں ہے۔

(3): اوراللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کردے۔

(4): اوراللہ تم کوغیب کی باتوں سے مطلع نہیں کرے گا۔

(5): اوراللہ تم کو ہرگز غیب کی باتوں سے مطلع نہیں کرے گا۔

(6): اوراللہ تمہیں کبھی غیب کی باتوں سے مطلع نہیں کرے گا۔

لَمْ یَکُنِ اللهُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ:

(1): اللہ ہرگز نہ انہیں بخشے۔

(2): اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا۔

(3): اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

(4): اللہ انہیں کبھی نہیں بخشے گا۔

وَمَا کَانَ اللهُ لِیُعَذِّبَھُمْ:

(1): اوراللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے۔

(2): اوراللہ انہیں عذاب نہیں کریگا۔

(3): اوراللہ انہیں عذاب کرنے والانہیں ہے۔

(4): اوراللہ انہیں ہرگز عذاب نہیں کریگا۔

فَمَا كَانَ اللهُ لِيَظْلِمَهُـمْ:

(1): تو اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا۔

(2): تو اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرے۔

(3): پھر اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا۔

لَمْ اَكُنْ لِاُفْشِيَ سِرَّ رسولِ الله:

(1): میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر کرنے والا نہیں ہوں۔

(2): میں ایسا نہیں ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر کروں۔

(3): میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو ہرگز ظاہر نہیں کروں گا۔

(4): میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو کبھی ظاہر نہیں کروں گا۔

سین کا ترجمہ کرنے کا طریقہ:

فعل مضارع سے پہلے (سین) لگا دیں تو یہ لفظی عمل نہیں کرتا مگر معنوی عمل کرتا ہے یہ کبھی فعل مضارع کو مستقبل قریب کے ساتھ خاص کر دیتا ہے یعنی کبھی مستقبل قریب کا معنی دیتا ہے اور بسا اوقات تاکیدی معنی پیدا کرتا ہے۔

موقع محل کے اعتبار سے اس کا ترجمہ عموماً: "عنقریب" یا "اب" یا" جلد" یا "ابھی" کے ساتھ کیا جاتا ہے، لہذا موقع کی مناسبت سے اس کا ترجمہ اس لفظ سے کیا جائے جو اس جگہ کے بالکل مناسب ہو مثلاً:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ:

ترجمہ کنز الایمان: تو اے محبوب عنقریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ:

(1): ترجمہ کنز الایمان: اب کہیں گے بیوقوف لوگ۔

(2): عنقریب بیوقوف لوگ کہیں گے۔

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ:

(1): ترجمہ کنز الایمان: وہ جلد اپنا کیا پائیں گے۔
(2): عنقریب اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔

سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ:
ترجمہ کنز الایمان: ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں۔

اور بعض اوقات "سین" کا ترجمہ ہی نہیں کیا جاتا جیسے:

فَسَیَکۡفِیۡکَهُمُ اللّٰهُ:
(1): ترجمہ کنز الایمان: تمہیں ان سے اللہ کافی ہوگا۔
(2): ان کے مقابلے میں اللہ تمہیں کافی ہے۔

سَیَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ:
احمق لوگ کہیں گے۔

وَسَیَجۡزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیۡنَ:
اور اللہ شکر والوں کو بدلہ دے گا۔

سَاَذۡهَبُ اِلَی السُّوقِ:
موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے اس عبارت کا اِن مختلف تعبیرات میں ترجمہ کیا جاسکتا ہے، جو تعبیر جس جگہ کے زیادہ مناسب معلوم ہو، اُسی تعبیر کے مطابق وہاں ترجمہ کیا جائے:

میں جلد بازار جاؤں گا / میں اب بازار جاتا ہوں / میں ابھی بازار جاؤں گا / عنقریب میں بازار جاؤں گا / میں بازار جاؤں گا / میں بازار جانے لگا ہوں۔

سَوۡفَ کا ترجمہ کرنے کا طریقہ:

فعل مضارع سے پہلے "سَوۡف" آجائے تو لفظی عمل نہیں کرتا مگر معنوی اعتبار سے فعل مضارع کو مستقبل بعید کے ساتھ خاص کر دیتا ہے، موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے اس کا ترجمہ: "عنقریب" یا "اب" یا "جلد" سے کیا جاتا ہے، لہذا موقع کی مناسبت سے اس

ترجمہ اس لفظ سے کیا جائے جو اس جگہ کے بالکل مناسب ہو مثلاً:
فَسَوۡفَ نُصۡلِيۡهِ نَارًا:
ترجمہ کنزالایمان: تو عنقریب ہم اُسے آگ میں داخل کریں گے۔
فَسَوۡفَ يَاۡتِيۡهِمۡ اَنۡبٰٓؤُا مَا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ:
ترجمہ کنزالایمان: تو اب انہیں خبر ہوا چاہتی ہے اس چیز کی جس پر ہنس رہے تھے۔
فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ:
تو اب جاننا چاہتے ہو/ تو اب جان جاؤ گے/ عنقریب جان جاؤ گے۔
قَالَ سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَكُمۡ رَبِّىۡ:
ترجمہ کنزالایمان: کہا جلد میں تمہاری بخشش اپنے رب سے چاہوں گا۔
بعض اوقات "سوف" کا ترجمہ نہیں کیا جاتا:
سوف اَنۡظُرُ فِى اَمۡرِيۡ:
میں اپنے معاملہ میں غور کروں گا۔

متعدی مجہول کا ترجمہ کرنے کا طریقہ:

بعض تعبیرات عربی زبان میں متعدی مجہول استعمال ہوتی ہیں مگر اُردو زبان میں محاورتی تعبیر کے مطابق لازم معروف استعمال ہوتی ہیں اور اس صورت میں متعدی مجہول کا لازم معروف والا ترجمہ کرنے سے ترجمہ میں حُسن پیدا ہو جاتا ہے اور عبارت کا معنیٰ و مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے، جیسے:
وَ عُرِضُوۡا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا:
لفظی ترجمہ:
اور وہ پیش کیے جائیں گے تمہارے رب کے سامنے صف باندھ کر (صف باندھے)۔
یہاں: عُرِضُوۡا: فعل متعدی مجہول ہے، مگر بسا اوقات موقع محل کے اعتبار سے محاورتی تعبیر کے مطابق اس قسم کی عبارت کا لازم معروف والا ترجمہ کیا جاتا ہے:

ترجمہ کنز الایمان: اور سب تمہارے رب کے حضور پرا باندھے پیش ہوں گے۔

فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا:

لفظی ترجمہ:

تو اگر انہیں دیا جائے اس میں سے تو خوش ہو جائیں۔

یہاں "اُعْطُوْا" فعل متعدی مجہول ہے، مگر بسا اوقات موقع محل کے اعتبار سے محاورتی تعبیر کے مطابق اس عبارت کا لازم معروف والا ترجمہ کرنے سے ترجمہ دلکش ہو جاتا ہے:

(1): ترجمہ کنز الایمان: تو اگر ان میں سے کچھ ملے تو راضی ہو جائیں۔

(2): اگر انہیں اِس میں سے مل جائے تو خوش ہو جائیں۔

وُلِدَ زید:

لفظی ترجمہ:

پیدا کیا گیا زید کو۔

بامحاورہ ترجمہ/ معیاری ادبی ترجمہ:

وُلِدَ: متعدی مجہول ہے، محاورتی تعبیر کے مطابق اس کا لازم معروف والا ترجمہ کرنے سے ترجمہ میں حُسن پیدا ہو جاتا ہے:

زید پیدا ہوا۔

زید مقتول:

زید کو قتل کیا گیا ہے۔

محاورتی تعبیر کے مطابق لازم معروف والا ترجمہ بھی ہو سکتا ہے:

زید قتل ہو گیا ہے۔

زید مُتْعَب:

زید کو تھکایا گیا ہے۔

بسا اوقات محاورتی تعبیر کے مطابق لازم معروف والا ترجمہ کرنے سے ترجمہ کی تعبیر خوبصورت اور دلکش ہو جاتی ہے:

زید تھکا ہوا ہے / زید تھک گیا ہے۔

سُرَّ زید:

لفظی ترجمہ:

خوش کیا گیا زید کو۔

بامحاورہ ترجمہ / معیاری ادبی ترجمہ:

زید خوش ہو گیا۔

اُضْطُرَّ الی معرفته زید:

لفظی ترجمہ:

مجبور کیا گیا اس کے جاننے کی طرف زید کو۔

بامحاورہ ترجمہ / معیاری ادبی ترجمہ:

محاورتی تعبیر کے مطابق اس متعدی مجہول کا لازم معروف والا ترجمہ بھی ہو سکتا ہے:

زید اسے جاننے پر مجبور ہوا۔

زید مُتْرَف:

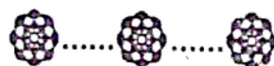
زید کو خوش حال بنایا گیا ہے / زید خوشحال ہے۔

زید مُکْرَم:

زید عزت دار بنایا گیا / زید عزت دار ہے / زید شریف ہے۔

نوٹ:

فعل متعدی مجہول اور اسم مفعول کا ترجمہ کرتے وقت غور کیا جائے کہ کس جگہ محاورتی تعبیر کے مطابق متعدی مجہول کا لازم معروف والا ترجمہ کرنا مناسب ہے، موقع کی مناسبت سے جو محاورتی تعبیر زیادہ مناسب معلوم ہو اسی تعبیر کے مطابق ترجمہ کیا جائے۔



پندرہویں فصل



فعل امر اور نہی کا ترجمہ کرنے کا طریقہ

امر کا معنی:

طلب کی اقسام میں سے ایک قسم صیغہ امر ہے جس کا معنی ہے کہ اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر کام کرنے کو طلب کرنا، جیسے:

اَقِيمُوا الصلاةَ:

تم نماز قائم کرو۔

نوٹ:

موقع محل اور شخصیت کو دیکھ کر صیغہ امر کا مختلف الفاظ وتعبیرات میں ترجمہ کیا جاتا ہے لہذا ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے فعل امر کا مختلف تعبیرات میں سے کس تعبیر کے ساتھ ترجمہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔
جبکہ ترجمہ کرتے وقت بعض طلبہ کی اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی، سوچے سمجھے بغیر جلدی سے ترجمہ کرنا شروع کردیتے ہیں جو دُرست اور معیاری ادبی ترجمہ نہیں کہلاتا:

صیغہ امر کا ترجمہ کرنے کی مختلف صورتیں:

(1): اگر سامنے والا شخص عام سطح یا معمولی درجے یا کم درجے کے لوگوں میں شمار ہوتا ہو اور صرف simpal الفاظ کا معنی ومفہوم بیان کرنا مقصود ہو، الفاظ کے ذریعے ادب واحترام یا ذلت وحقارت کا اظہار کرنا مقصود نہ ہو تو اس صورت میں عام سطح کی تعبیرات کے ساتھ ترجمہ کیا جائے گا، مثلاً:

اِذْهَبْ: تم جاؤ۔

اِقْرَأْ: تم پڑھو۔

(2): اگر مخاطب کا قابل احترام، معزز لوگوں میں شمار ہوتا ہو اور الفاظ کا معنی ومفہوم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے ذریعے ادب واحترام کا اظہار کرنا بھی مقصود ہو تو اس

صورت میں ادب اور تعظیم کا اظہار کرنے کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن میں ادب واحترام کا پہلو نکلتا ہو، جیسے:

اِذْهَبْ: آپ جایئے۔

اِقْرَاْ: آپ پڑھیے۔

ان تعبیرات کے ذریعے ادب واحترام کا اظہار بھی ہو رہا ہے۔

امر استمراری کا معنی:

(3): امر اِستمراری (امرِ دَوامی) کا معنی ہے: کام کے جاری رہنے کو طلب کرنا۔
اگر حکم دینے والے شخص کا کام کا جاری رہنا طلب کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں فعل امر کا استمراری والا ترجمہ کیا جائے گا اور اِستمراری والا معنی پیدا کرنے کے لیے فعل امر کے ترجمہ کے آخر میں "رہ" یا "رہو" یا" کیا کرو" یا" کئے جاؤ" کا لفظ بڑھایا جاتا ہے، مثلاً:

وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ:

ترجمہ کنز الایمان: اور اے قوم تم اپنی جگہ اپنا کام کئے جاؤ یعنی تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو۔

فَاحْذَرْهُمْ:

ترجمہ کنزالایمان: تو ان سے بچتے رہو۔

وَاحْذَرْهُمْ:

ترجمہ کنزالایمان: اور ان سے بچتا رہ۔

حدیث شریف میں ہے: اَسْرِعُوا بالجنازۃ:

جنازے میں جلدی کیا کرو۔

اِقْرَاْ:

تو پڑھتا رہ / تم پڑھتے رہو۔

(4): اگر متکلم کا آئندہ زمانے میں کام کرنے کا تاکیداً حکم دینا مقصود ہو تو اس صورت

میں بسا اوقات فعل امر کا مصدری معنی والا ترجمہ کیا جاتا ہے کیونکہ مصدر والا ترجمہ کرنے سے حکم میں مزید تاکید پیدا ہو جاتی ہے جیسے:

اِصْبِرْ: تم صبر کرنا۔

نوٹ:

تم صبر کرو اور تم صبر کرنا: ان دونوں تعبیرات کے استعمال میں بھی فرق ہے پہلی تعبیر: (تم صبر کرو) میں صرف سادہ حکم ہے جبکہ دوسری تعبیر: (تم صبر کرنا) حکم (امر) کا بھی کام دیتی ہے اور حکم میں مزید تاکید بھی پیدا کر رہی ہے۔

لہٰذا فعل امر کا ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے فعل امر کا کس تعبیر کے ساتھ ترجمہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔

(5): کبھی فعل امر کے ترجمہ میں تعظیم کے لئے: "جے"، "یے" بڑھا دیتے ہیں، جیسے:

اِصْبِرْ: آپ صبر کیجئے۔

اِذْهَبْ: آپ جائیے۔

(6): کبھی فعل امر کے ترجمہ کے آخر میں "نہ" لگا کر تاکید کے معنی لیتے ہیں یعنی اس صورت میں "نہ" نفی کے معنی نہیں دیتا بلکہ حکم میں مزید تاکیدی معنی پیدا کرتا ہے۔ جیسے:

اِذْهَبْ: جاؤ نہ۔

اِصْبِرْ: صبر کرو نہ۔

اِجْلِسْ: بیٹھو نہ۔

(7): کبھی صرف حُسن کلام کے لیے امر کے بعد "نہ" لگا دیتے ہیں تاکیدی معنی پیدا کرنا مقصود نہیں ہوتا جیسے:

تَعالَ: آؤ نہ۔

کُلْ: کھاؤ نہ۔

(8): بعض اوقات تاکیدی معنی پیدا کرنے کے لئے صیغہ فعل امر کے ترجمہ کے

آخر میں "تو" بڑھا دیا جاتا ہے، مثلاً:

اِجْلِسْ: بیٹھو تو۔

اِسْمَعْ: سنو تو۔

(9): عام طور پر فعل امر کے ذریعے یہ ہی مقصود ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو بڑا تصور کر کے کسی کو کام کرنے کا حکم دینا۔ مگر بسا اوقات فعل امر اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ کبھی فعل امر مجازاً دُعا کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

دُعاء کا معنی:

دُعا کا معنی ہے کہ عاجزانہ طور پر کسی سے فعل کو طلب کرنا۔

دُعاء اور امر کے درمیان فرق:

صیغہ امر ہونے کے لیے شرط ہے کہ طلبِ فعل اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر ہو جبکہ دُعا ہونے کے لئے صرف یہ شرط ہے کہ طلبِ فعل تضرّع کے ساتھ ہو عاجزانہ طور پر ہو تو اسے دُعا کہیں گے امر نہیں کہیں گے، تو دُعا میں عاجزی و انکساری کی قید ہے، جیسے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ:

اے میرے رب میری مغفرت فرما۔

(10): کبھی اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر کام کرنے کا حکم دینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ التجا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ بسا اوقات فعل امر مجازاً التجا (التماس) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے:

اِجْلِسْ:

اگر یہاں متکلم کا مخاطب کو جانے کا حکم دینا مقصود نہ ہو بلکہ التجا کرنا مقصود ہو تو اب اس عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا:

تشریف رکھیے / بیٹھ جایئے۔

امر اور التجاء کے درمیان فرق:

امر اور التجا (التماس) میں فرق یہ ہے کہ امر کے اندر اپنے آپ کو بڑا تصور کر کے کام کرنے کو طلب کیا جاتا ہے جبکہ التجا (التماس) کرنے والا نہ اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی عاجزانہ طور پر طلبِ فعل کرتا ہے بلکہ طلبِ فعل میں تساوی ہوتی ہے۔

اس کو اس مثال سے سمجھیں:

اگر استاذ نے اپنے آپ کو بڑا تصور کر کے شاگرد سے کہا:

اَعْطِنِیْ الکتابَ:

مجھے کتاب دو۔ تو یہ امر ہوگا۔

اگر اپنے آپ کو نہ بڑا سمجھ کر کہا اور نہ ہی عاجزی وانکساری کے ساتھ کہا بلکہ مطلقاً کام کرنے کو طلب کیا تو یہ التماس (التجا) ہے اور التماس مراد ہونے کی صورت میں محاورتی تعبیر کے مطابق اب اس عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا:

مجھے کتاب دیجئے۔

لہذا صیغہ امر کا ترجمہ کرتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ صیغہ امر کس معنی میں استعمال ہورہا ہے پھر موقع کی مناسبت سے اُسی معنی کے مطابق ترجمہ میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن کے ذریعے متکلم کی مراد ومقصود واضح ہوجائے۔

(11): کبھی فعل امر کسی کام کا حکم دینے کے لئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذریعے تبکیت یعنی مخاطب کو خاموش اور عاجز کرنا مقصود ہوتا ہے یعنی کبھی صیغہ امر مجازاً مخاطَب کے عاجز ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے:

فَاْتُوا بِسُورَۃٍ مِنْ مِثْلِه:

ترجمہ کنز الایمان: تم قرآن کی مثل ایک چھوٹی سی سورت ہی لے آؤ۔

یہاں قرآن کی مثل چھوٹی سی سورت لانے کو طلب کرنا مقصود نہیں ہے، کیونکہ قرآن کی مثل سورت لانا تو محال ہے۔ تو اس مثال میں صیغہ امر کفار کے عاجز ہونے کو ظاہر کرنے کے

لئے استعمال کیا گیا ہے۔

اَنۡبِئُوۡنِیۡ:

(اے فرشتو!) مجھے بتاؤ۔

یہاں فعل امر کے ذریعے فرشتوں کو حکم دینا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ فرشتے اس حکم کو کرنے سے عاجز ہیں یعنی تمام چیزوں کے نام بتانے سے عاجز ہیں۔

(12): کبھی فعل امر سے مقصود تہکُّم ہوتا ہے یعنی حکم دینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ کلام سے سمجھے جانے والے ظاہری معنی و مفہوم کا عکس مراد ہوتا ہے۔ اور اس کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً: بسا اوقات بظاہر خوشخبری دی جارہی ہوتی ہے۔ جبکہ درحقیقت اس سے ڈرانا، دھمکانا مقصود ہوتا ہے، جیسے:

فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ:

ترجمہ کنزالایمان: انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی۔

اس آیت میں کفار کو ڈرانا، دھمکانا اور ان کی توہین اور تحقیر کرنا مقصود ہے۔

بعض اوقات بظاہر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ جبکہ درحقیقت دھمکانا اور ڈرانا مقصود ہوتا ہے کہ اپنے انجام کو خود سوچ لے اور سمجھ لے، جیسے:

فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ:

ترجمہ کنزالایمان: تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ:

تم جو چاہو کرو / جو جی میں آئے کرو۔

یہاں ہر کام کرنے کا حکم دینا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ جو چاہے کام کرنے سے روکنا، ڈرانا مقصود ہے کہ تم جو چاہو کرو اس کا انجام خود دیکھ لوگے۔

(13): کبھی صیغہ امر مجازاً اباحت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً:

كُلۡ تُفَّاحًا اَوۡ اِجَّاصَةً:

تم سیب کھاؤ یا امرود۔

یہاں کھانے کا حکم دینا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ تمہیں اس بات کی بھی اجازت ہے کہ دونوں چیزیں کھاؤ اور اس کی بھی اجازت ہے کہ ایک چیز کھاؤ اور ایک چیز نہ کھاؤ اور اس کی بھی اجازت ہے کہ دونوں نہ کھاؤ۔

اباحت اور تخییر کے درمیان فرق یہ ہے کہ اباحت کی صورت میں دونوں باتیں جمع کرنا جائز ہوتا ہے جبکہ تخییر کی صورت میں ناجائز۔

نوٹ:

موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے صیغہ امر کا ترجمہ ان جُدا جُدا الفاظ وتعبیرات میں کیا جاتا ہے اور ان تعبیرات کے استعمال میں بھی فرق ہے۔ لہذا فعل امر کا ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ عبارت میں صیغہ امر کس معنی میں استعمال ہو رہا ہے پھر موقع کی مناسبت سے اُسی معنی کے مطابق الفاظ وتعبیرات کا انتخاب کر کے ترجمہ کیا جائے۔ جبکہ عام طور پر بعض طلبہ کی اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی جس کی وجہ سے دُرست اور معیاری ادبی ترجمہ کرنے میں غلطیاں کرتے ہیں۔

صیغہ امر غائب کا ترجمہ کرنے کا طریقہ:

صیغہ امر غائب کا ترجمہ کرتے وقت ترجمہ کے شروع میں عموماً: "چاہیے کہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں:

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ:

ترجمہ کنز الایمان: اور چاہئے کہ انجیل والے حکم کریں۔

فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ:

ترجمہ کنز الایمان: تو چاہئے کہ ان میں ایک جماعت تمہارے ساتھ ہو۔

وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ:

ترجمہ کنز الایمان: چاہئے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔

بسا اوقات صیغہ امر غائب کا ترجمہ کرتے وقت ترجمہ کے شروع میں "چاہیے کہ" کا لفظ نہیں آتا بلکہ امر والے اُسلوب میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔لہذا موقع کی مناسبت سے فیصلہ کیا جائے کہ کہاں لایا جائے اور کہاں نہ لایا جائے، جیسے:

وَلْيَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَهُم:

ترجمہ کنز الایمان: اور وہ اپنے ہتھیار لئے رہیں۔

فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی:

ترجمہ کنز الایمان: پھر جب وہ سجدے کرلیں تو ہٹ کر تم سے پیچھے ہو جائیں اور اب دوسری جماعت آئے۔

فعل نھی کا ترجمہ کرنے کا طریقہ:

وہ فعل جس میں کام سے منع کیا جائے یا روکا جائے اسے فعل نہی کہتے ہیں۔عموماً فعل نہی کا ترجمہ کرتے وقت موقع محل کے اعتبار سے لفظ "نہ" یا "مت" استعمال کرتے ہیں۔

مگر یہ خیال رہے کہ لفظ "نہ" اور "مت" کے استعمال میں بھی فرق ہے۔اگر کسی کام کی قطعی نفی کرنا مقصود ہو تو لفظ "مت" استعمال کرتے ہیں۔اور اگر نفی میں تاکید/زور اور شدت والا معنی پیدا کرنا مقصود نہ ہو تو لفظ "نہ" استعمال کرتے ہیں۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ:

(1): اور جب اُن سے کہا جائے زمین میں فساد نہ کرو۔

(2): اور جب اُنہیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔

لَا تَذْهَبْ:

(1): تم نہ جاؤ۔

(2): تم مت جاؤ۔

نوٹ:

ان دونوں تعبیرات کے استعمال میں بھی فرق ہے کیونکہ لفظ "مت" کے استعمال کرنے

سے نفی میں تاکید اور شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ جبکہ "نہ" استعمال کرنے سے نفی میں تاکید اور شدت والا معنیٰ نہیں پایا جاتا۔ لہذا فعل نہی کا ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ کہاں لفظ "نہ" استعمال کرنا بہتر ہے اور کہاں لفظ "مت" استعمال کرنا چاہیے۔

بسا اوقات موقع محل کے اعتبار سے فعل نہی کا ترجمہ اس اسلوب میں کیا جاتا ہے جیسے:

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ:

(1): لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔

(2): مگر اس پیڑ کے پاس نہ جانا۔

بعض اوقات موقع کی مناسبت سے ایسی جگہ اس اسلوب میں ترجمہ کرنے سے ترجمہ ادبی لحاظ سے بھی حسین اور دلکش ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی ایسے موقع پر فعل نہی کا یوں ترجمہ کرے:

(1): اور اس درخت کے قریب نہ جاؤ۔

(2): اور اس درخت کے قریب مت جاؤ۔

اگر چہ یہ ترجمہ بھی دُرست ہے اصولاً غلط نہیں ہے۔ مگر ادبی ذوق کے لحاظ سے حسین اور دلکش نہیں ہے۔ اور یہ فرق وہ ہی محسوس کر سکتا ہے جو ادبی بصیرت اور ذوق رکھتا ہو۔ لہذا ترجمہ کرنے والے کے ترجمہ سے اس کی ادبی بصیرت اور ذوق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔



﴿﴾......سولھویں فصل......﴿﴾



اسم فاعل اور اسم مفعول کا ترجمہ کرنے کا طریقہ

اسم فاعل اوراسم مفعول کا صیغہ اصل میں ماضی اورحال کا معنی دینے کے لئے وضع کیا گیا ہے یعنی اسم فاعل اوراسم مفعول دونوں درحقیقت صفت ہی کے صیغے ہیں جو ایسے معنی پر دلالت کرتے ہیں جو صفت سے متصف شخص سے واقع ہو چکا ہو یا اس کے ساتھ قائم ہو۔

قاعدہ:

اصل یہی ہے کہ اسم فاعل اوراسم مفعول کا ماضی یا حال والا ترجمہ کیا جائے گا:

زید کاتِب:

زید لکھتا ہے / زید لکھ رہا ہے۔ یعنی لکھنے کی صفت ابھی لکھنے والے شخص کے ساتھ قائم ہے۔

زید قاعِد:

زید بیٹھا ہوا ہے / زید بیٹھا ہے۔ یعنی بیٹھنے کی صفت زید سے واقع چکی ہے۔

نوٹ:

اسم فاعل اوراسم مفعول کا ترجمہ کرنے سے پہلے اس بات کا تعین کیا جائے کہ ماضی والا ترجمہ کرنے کی صورت میں یا حال ولا ترجمہ کرنے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہے، لہذا موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے کسی ایک صورت کا تعین کر کے ماضی یا حال والا ترجمہ کیا جائے جبکہ ترجمہ کرتے وقت بعض طلبہ کی اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی۔

بسا اوقات اسم فاعل اور اسم مفعول کا مستقبل والا ترجمہ کیا جاتا ہے:

بسا اوقات قرینہ پائے جانے کے وقت اسم فاعل اوراسم مفعول مجازاً مستقبل کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، لہذا ترجمہ کرتے وقت دیکھ لیا جائے کہ اگر یہ مستقبل کے معنی میں استعمال ہو رہے ہوں تو ایسے موقع پر ان کا مستقبل والا ترجمہ کیا جائے گا:

وانَّ الدِّینَ لَواقِع:

اس مثال میں لَـواقِـع :اسم فاعل مجازاً مستقبل کے معنی میں استعمال ہوا ہے، لہذا اب
اس کا مستقبل والا ترجمہ کریں گے:

اور بیشک جزا ضرور (قیامت کے دن) واقع ہوگی۔

اور بیشک جزا ضرور ہونے والی ہے۔

اور بیشک جزا ضرور ہونی ہے۔

وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ:

ترجمہ کنز الایمان: اور جب ہم نے پہاڑ اُن پر اٹھایا گویا وہ سائبان ہے اور سمجھے کہ وہ
ان پر گر پڑے گا۔

ذلک یومٌ مَجموعٌ له الناسُ:

اس مثال میں مـجـمـوع :اسم مفعول مجازاً مستقبل کے معنی میں استعمال ہوا ہے، لہذا
اس کا بھی مستقبل والا ترجمہ کریں گے:

ترجمہ کنز الایمان: وہ دن ہے جس میں سب لوگ اکٹھے ہوں گے۔

فائدہ:

بلاغت کا قاعدہ ہے کہ بسا اوقات مستقبل کی بات کو اسم فاعل یا اسم مفعول کے صیغے کے
ساتھ اس لئے بیان کیا جاتا ہے تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ اس بات کا مستقبل میں
واقع ہونا یقینی ہے، (بحوالہ مختصر المعانی)۔

سوال:

اسم فاعل اور اسم مفعول کا صرف حال اور مستقبل والا ترجمہ کب ہوگا؟

جواب:

شرح ملا جامی مطبوعہ لاہور، صفحہ نمبر:266 پر یہ قاعدہ ہے کہ اگر اسم فاعل یا اسم مفعول کا
معمول (مفعول بہ وغیرہ) مرفوع یا منصوب ہو تو ماضی والا ترجمہ نہیں ہوگا بلکہ موقع محل کے
اعتبار سے صرف حال یا مستقبل والا ترجمہ کریں گے جیسے:

زید حافِظٌ درسَه:

موقع کی مناسبت سے اس اسم فاعل کے صرف دو ہی ترجمے ہوسکتے ہیں: حال والا یا مستقبل والا:

زید اپنا سبق یاد کرتا ہے / زید اپنا سبق یاد کرے گا / زید اپنا سبق یاد کرنے والا ہے۔

یہاں اس مثال میں اسم فاعل کا ماضی والا ترجمہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اسم فاعل کا معمول منصوب ہے۔ اس کے باوجود اگر کسی نے اس صورت میں ماضی والا ترجمہ کیا:

زید نے اپنا سبق یاد کیا ہوا ہے / زید کو اپنا سبق یاد ہے۔ تو غلط ترجمہ کہلائے گا۔

مَا اَنَا بِبَاسِطٍ یَدِیَ اِلَیۡکَ:

یہاں اسم فاعل کا معمول منصوب ہے لہذا اس کا دُرست اور معیاری ترجمہ ہوگا:

ترجمہ کنزالایمان: میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا۔

سوال:

اسم فاعل اور اسم مفعول کا ماضی، حال اور مستقبل والا ترجمہ کب ہوسکتا ہے؟

جواب:

اسم فاعل یا اسم مفعول کا معمول (مفعول بہ وغیرہ) مذکور نہ ہو یا مذکور تو ہو مگر حالت جری میں ہو یا اسم فاعل اپنے معمول کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہو تو اس صورت میں موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے ماضی والا ترجمہ بھی ہوسکتا ہے حال والا بھی اور مستقبل والا بھی:

زید حافِظٌ لِدرسِه:

یہاں اسم فاعل کا معمول حالت جری میں ہے، لہذا مذکورہ اصول کے مطابق موقع کی مناسبت سے اسم فاعل کا ماضی، حال یا مستقبل والا ترجمہ کریں گے:

زید اپنا سبق یاد کرتا ہے / زید اپنا سبق یاد کرے گا / زید کو اپنا سبق یاد ہے / زید نے اپنا سبق یاد کیا ہوا ہے۔

زید حافظُ الدرسِ:

یہاں اسم فاعل اپنے معمول کی طرف مضاف ہے، لہذا مذکورہ اصول کے مطابق موقع کی مناسبت سے اسم فاعل کا ماضی، حال یا مستقبل والا ترجمہ ہوسکتا ہے:

زید اپنا سبق یاد کرتا ہے / زید اپنا سبق یاد کرے گا / زید کو اپنا سبق یاد ہے / زید نے اپنا سبق یاد کیا ہوا ہے۔

اِنّي عامِل:

یہاں اسم فاعل کا معمول موجود نہیں ہے۔ لہذا مذکورہ اصول کے مطابق اسم فاعل کا ماضی، حال اور مستقبل تینوں ترجمے ہوسکتے ہیں مگر یہاں موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے حال والا ترجمہ کیا جائے گا:

ترجمہ کنز الایمان: میں اپنا کام کرتا ہوں۔

قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ:

یہاں اسم مفعول کا معمول مذکور نہیں ہے، لہذا مذکورہ اصول کے مطابق اسم مفعول کا ماضی، حال اور مستقبل تینوں ترجمے ہوسکتے ہیں مگر یہاں موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے مستقبل والا ترجمہ زیادہ حسین اور دلکش ہے:

ترجمہ کنز الایمان: بولا ہاں اور اس وقت تم میرے مقرب ہو جاؤ گے۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ:

یہاں اسم فاعل کا معمول مذکور نہیں ہے۔ لہذا مذکورہ اصول کے مطابق اسم فاعل کا ماضی حال اور مستقبل تینوں ترجمے ہوسکتے ہیں مگر یہاں موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے ماضی والا ترجمہ کرنا بہتر ہے:

(1): ترجمہ کنز الایمان: بلکہ تم لوگ حد سے گزر گئے۔

(2): بلکہ تم لوگ حد سے گزرے ہوئے ہو۔

اگر ایسے موقع پر کوئی حال یا مستقبل والا ترجمہ کرے تو اصولاً ترجمہ غلط نہیں ہوگا مگر ادبی

بصیرت اور ذوق کے لحاظ سے معیاری ادبی اور دلکش ترجمہ نہیں کہلائے گا۔

زید قارِئٌ:

یہاں موقع محل کے اعتبار سے اسم فاعل کا ماضی، حال اور مستقبل والا ترجمہ ہو سکتا ہے:

زید پڑھتا ہے / زید پڑھے گا / زید پڑھنے والا ہے / زید پڑھا ہوا ہے / زید نے پڑھ لیا ہے۔

نوٹ:

اسم فاعل اور مفعول کا ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ موقع محل کے اعتبار سے کہاں ماضی، حال یا مستقبل والا ترجمہ کرنا بہتر ہے۔ لہذا کسی ایک صورت کا تعین کر کے اسم فاعل اور اسم مفعول کا ترجمہ کیا جائے۔ جبکہ بعض طلبا کی اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی، ان چیزوں کو سمجھے بغیر ہی ترجمہ کرنا شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے دُرست اور معیاری ترجمہ کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی۔

سوال:

کیا اسم فاعل کا ترجمہ صرف: "والا" کے ساتھ کیا جاتا ہے؟

جواب:

بعض طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسم فاعل کا ترجمہ صرف ایک ہی طریقہ سے ہوتا ہے مطلب یہ کہ اسم فاعل کا ترجمہ صرف: "والا" کے ساتھ ہوتا ہے، مثلاً:

زید ذاھِب: زید جانے والا ہے۔

زید کاتِب: زید لکھنے والا ہے۔

یہ سوچ بالکل غلط ہے حقیقۃً ایسا نہیں ہے بلکہ موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے اسم فاعل کا ترجمہ مختلف تعبیرات میں کیا جاتا ہے جیسا کہ مثالیں گزر چکی ہیں لہذا جہاں جو تعبیر مناسب معلوم ہو اُسی تعبیر کے مطابق اسم فاعل کا ترجمہ کیا جائے۔

مگر یہ کہ "والا" ایسا لفظ ہے جو زمانہ حال کا بھی معنی دیتا ہے اور زمانہ مستقبل کا بھی معنی

دیتا ہے یہ ہی وجہ ہے کہ عام طور پر اسم فاعل کے ترجمہ میں: "والا" آتا ہے۔

زید قارِئ: زید پڑھنے والا ہے۔

اس ترجمہ میں دو احتمال ہیں: اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ زید پڑھتا ہے اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے: زید ابھی پڑھے گا۔

بسا اوقات موقع محل کے اعتبار سے اسم فاعل کا ترجمہ اس تعبیر کے ساتھ کیا جاتا ہے:

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللهُ فَلَا غَالِبَ لَکُم:

ترجمہ کنز الایمان: اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔



سترہویں فصل



موصوف صفت کا ترجمہ کرنے کا طریقہ

موصوف صفت کا مجموعہ ہرگز جملہ نہیں کہلاتا بلکہ مرکب ناقص کہلاتا ہے اور مرکب ناقص کے اردو ترجمہ میں "ہے" نہیں آتا۔

الرجل العالِم:

عالم مرد۔

کتاب جمیل:

خوبصورت کتاب۔

موصوف صفت کا ترجمہ کرنے کی مختلف صورتیں

موقع محل کے اعتبار سے محاورتی تعبیر کے مطابق موصوف صفت کا ترجمہ مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ ادبی بصیرت اور ذوق کے لحاظ سے جو تعبیر دلکش معلوم ہو اُسی کے مطابق ترجمہ کیا جائے۔ جبکہ موصف صفت کا ترجمہ کرتے وقت بعض طلبہ کی اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی:

(1): اُردو زبان میں موقع کی مناسبت سے عموماً پہلے صفت کا پھر موصوف کا ترجمہ کیا جاتا ہے، جیسے:

جاءَ رجل جمیل:

ایک خوبصورت مرد آیا۔

الولَدُ المجتهد:

محنتی بچہ / محنت کرنے والا بچہ۔

(2): بسا اوقات موقع محل کے اعتبار سے پہلے موصوف کا ترجمہ کیا جاتا ہے:

مِنْ عندِ الله العزیز الحکیم:

ترجمہ کنزالایمان: اللہ غالب حکمت والے کے پاس سے۔

(3): بعض اوقات موقع محل کے اعتبار سے موصوف صفت کے ترجمہ کے درمیان لفظ "جو" بڑھانے سے ادبی ذوق کے لحاظ سے ترجمہ حسین اور دلکش ہو جاتا ہے:

تنزیلُ الکتاب مِن اللہ العزیزِ الحکیم:

ترجمہ کنزالایمان: یہ کتاب اُتارنا ہے اللہ کی طرف سے جوعزت والا حکمت والا۔

یہ کتاب اللہ کی طرف سے اُتاری گئی ہے جو غالب حکمت والا ہے۔

جاء الرجل العالم:

موقع محل کے اعتبار سے اس عبارت کا دو طرح سے ترجمہ ہوسکتا ہے:

عالم مرد آیا۔

وہ مرد آیا جو عالم ہے۔

(4): بسا اوقات موصوف صفت کا اضافت والا ترجمہ کرنے سے ترجمہ میں حُسن پیدا ہو جاتا ہے اور عبارت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے:

مَن اَضَلُّ مِمّن ھو فی شِقاق بعید:

ترجمۂ کنزالایمان: اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو دور کی مخالفت میں ہے۔

الحیاۃ الدنیا:

دنیا کی زندگی / دنیاوی زندگی۔

العطلات الصیفیۃ:

گرمیوں والی چھٹیاں / گرمیوں کی چھٹیاں۔

الطالب الباکستانیون:

پاکستان کے طلبہ / پاکستانی طلبہ۔

الدروس الیومیۃ:

روزانہ کے اسباق۔

فائدہ:

مذکورہ مثالوں سے یہ معلوم ہوا کہ بعض اوقات اسم منسوب کا اضافت والا ترجمہ کرنے سے ترجمہ محاورتی تعبیر کے مطابق ہو جاتا ہے اور ادبی لحاظ سے ترجمہ معیاری اور خوبصورت ہو جاتا ہے۔

نوٹ:

جب آپ موصوف صفت کا ترجمہ کریں تو پہلے غور کریں کہ کس طریقہ کار کے مطابق ترجمہ کرنے سے ترجمہ معیاری ادبی اور خوبصورت ہوگا اور عبارت کا مطلب واضح ہوگا اُسی تعبیر کے مطابق موصوف صفت کا ترجمہ کیا جائے۔ اور ادبی ذوق کے ذریعے ہی اس بات کی پہچان ہو سکتی ہے۔

سوال:

موصوف کی صفت کیوں بیان کی جاتی ہے؟

جواب:

صفت مختلف مقاصد کے لئے لائی جاتی ہے:

(1): صفت مادحہ: یعنی موصوف کی شان و عظمت ظاہر کرنے کے لئے لائی جاتی ہے۔

(2): صفتِ ذامّہ یعنی موصوف کی مذمت، برائی بیان کرنے کے لیے لائی جاتی ہے۔

(3): صفتِ کاشفہ: یعنی بسا اوقات موصوف میں پائے جانے والے ابہام و پوشیدگی دور کرنے کے لیے صفت بیان کی جاتی ہے۔

(4): صفتِ مُقَیِّدہ: یعنی بسا اوقات موصوف میں پائے جانے والے عموم کو خاص کرنے کے لئے لائی جاتی ہے۔

نوٹ:

جب عبارت میں کوئی صفت لائی جائے تو ترجمہ کرتے وقت یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ صفت لانے کا مقصد کیا ہے۔

قاعدہ:

بعض اوقات وصف / صفت کو اسم کا نام دے دیا جاتا ہے، جیسے: قرآن یہ فُعلان مصدر کے وزن پر اسم مفعول کے معنی میں ہے اب اس کا معنی ہوگا: جس کو پڑھا جاتا ہے لیکن اس وصف کو اسم بنا دیا گیا ہے یہ ہی وجہ ہے کہ دوسری کتابیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں ان کو قرآن نہیں کہا جاتا۔ لباس: کپڑا۔ دراصل یہ مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔ مگر یہاں اسے اسم کا نام دے دیا ہے۔



اٹھارہویں فصل



اسم نکرہ یا معرفہ کے بعد جار مجرور آجائے تو ترجمہ کیسے کریں؟

ظرف کی دو قسمیں ہیں:

(1):ظرف لغو۔(2):ظرف مستقر۔

ظرف لغو نہ حال بنتا ہے نہ ہی صفت بنتا ہے اور نہ ہی خبر بنتا ہے۔ بلکہ فقط فعل یا شبہ فعل سے متعلق ہوتا ہے جبکہ ظرف مستقر فعل یا شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر کبھی صفت، کبھی حال اور کبھی خبر بنتا ہے۔

سوال:

ظرف لغو اور ظرفَ مستقر کی پہچان کی علامت کیا ہے؟

جواب:

ظرف لغو کی پہچان: جب معنوی اعتبار سے ظرف (جار مجرور وغیرہ) کا عبارت میں موجود فعل یا شبہ فعل سے تعلق جوڑنا مقصود ہو تو عموماً یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ یہ ظرف (جار مجرور وغیرہ) ظرف لغو ہے۔

وضاحت:

اُردو زبان میں ترجمہ کرتے وقت اگر حرف جر کا بعینہ ترجمہ ہو رہا ہو، کمی زیادتی نہ ہو رہی ہو تو بعض اوقات یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس جار مجرور کا تعلق فعل سے ہے (مطلب یہ کہ معنوی اعتبار سے ظرف (جار مجرور وغیرہ) کا فعل یا شبہ فعل سے تعلق ہونے کی صورت میں بعض اوقات حرف جر کا بعینہ ترجمہ ہوتا ہے کمی زیادتی نہیں ہوتی)۔

فرق صرف اتنا ہے کہ اگر عبارت میں موجود فعل یا شبہ فعل سے تعلق ہو تو ترکیب کلام میں جار مجرور ظرف لغو ہو کر فعل یا شبہ فعل سے متعلق ہوں گے اور اگر فعل یا شبہ فعل مذکور نہ ہوں تو ترکیب کلام میں جار مجرور ظرف مستقر ہو کر فعل یا شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر خبر بنے گے۔

لیسَ مصروفاً عنهم:

ترجمہ کنز الایمان: ان سے پھیرا نہ جائے گا۔

اس مثال میں معنوی اعتبار سے جار مجرور (عنهم) کا عبارت میں موجود شبہ فعل سے تعلق ہے جو ترکیب کلام میں ظرف لغو ہو کر شبہ فعل مذکور سے متعلق ہوگا۔

الغريب ما يستقل بروايته شخص واحد:

غریب وہ حدیث ہے جسے روایت کرنے میں ایک شخص مستقل ہو۔

اس مثال میں اگرچہ حرف جر کا ترجمہ لفظ "میں" کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مگر سیاق وسباق سے یہ بات واضح ہے کہ معنوی اعتبار سے جار مجرور (بروايته) کا عبارت میں موجود فعل سے تعلق ہے اسم سے نہیں ہے۔ لہذا ترکیبِ کلام میں جار مجرور ظرف لغو ہو کر فعل سے متعلق ہوگا۔

زيد في الدار:

زید گھر میں ہے / زید گھر میں موجود ہے۔

اس مثال میں معنوی اعتبار سے جار مجرور (في الدار) کا فعل یا شبہ فعل سے تعلق ہے جو ترکیب کلام میں ظرف مستقر ہو کر فعل یا شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر خبر بنے گا۔

ظرف مستقر کی پہچان:

جب معنوی اعتبار سے ظرف (جار مجرور وغیرہ) کا فعل سے تعلق نہ ہو بلکہ اسم نکرہ یا معرفہ سے تعلق جوڑنا مقصود ہو تو بسا اوقات یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ یہ ظرف (جار مجرور وغیرہ) ظرف مستقر ہے ظرف لغو نہیں ہے۔

اس صورت میں عموماً ظرف (جار مجرور وغیرہ) ظرف مستقر ہو کر فعل یا شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر صفت یا حال بنتا ہے۔

سوال:

یہ کیسے معلوم ہوگا کہ معنوی اعتبار سے ظرف (جار مجرور وغیرہ) کا فعل سے تعلق نہیں بلکہ اسم سے تعلق ہے؟

جواب:

ظرف (جارمجرور وغیرہ) کا عبارت میں موجود فعل سے تعلق جوڑنے کی صورت میں عبارت کا مطلب بدل رہا ہو اور اسم نکرہ یا معرفہ سے تعلق جوڑنے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی ومفہوم بن رہا ہو تو عموماً یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ظرف (جارمجرور وغیرہ) کا فعل سے نہیں بلکہ اسم سے تعلق ہے۔

نوٹ:

جب اسم نکرہ کے بعد جار مجرور آجائے اور معنوی اعتبار سے عبارت میں موجود فعل سے تعلق جوڑنے کی صورت میں عبارت کا مطلب بدل رہا ہو۔ جبکہ جار مجرور کا اسم نکرہ سے تعلق جوڑنے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہو تو اس صورت میں اسم نکرہ کو موصوف اور جار مجرور ظرف مستقر کو فعل یا شبہ فعل محذوف سے متعلق کر کے اس اسم نکرہ کی صفت بنائیں گے۔

اسم معرفہ کے بعد جار مجرور آئے اور معنوی اعتبار سے متکلم جار مجرور کا عبارت میں موجود فعل سے تعلق جوڑنا نہ چاہتا ہو بلکہ اسم معرفہ سے تعلق بیان کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں اسم معرفہ کو ذوالحال اور جار مجرور کو ظرف مستقر بنا کر فعل یا شبہ فعل محذوف سے متعلق کر کے اس اسم معرفہ سے حال بنائیں گے صفت نہیں بنائیں گے۔

اُردو میں ترجمہ کرتے وقت اگر حرف جر کے ترجمہ میں کمی زیادتی ہو جائے تو بعض اوقات یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس جار مجرور کا تعلق اسم سے ہے۔

اسم نکرہ یا معرفہ سے تعلق کی پہچان مندرج ذیل طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ مگر خیال رہے کہ یہ علامتیں یقینی نہیں ہیں:

(1): اگر حرف جر کا ترجمہ نہ ہونے کی صورت میں بھی عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ معنوی اعتبار سے حرف جر کا فعل سے نہیں بلکہ اسم سے تعلق ہے کہ جیسے:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ:

ترجمہ کنزالایمان: بہت کتابیوں نے چاہا۔

اس مثال میں معنوی اعتبار سے جار مجرور (مِنْ اَهْلِ الْكِتَاب) کا فعل سے نہیں بلکہ اسم نکرہ (كَثِيْر) سے تعلق ہے۔ لہذا ترکیب کلام میں اسم نکرہ (كَثِيْر) کو موصوف اور جار مجرور (مِنْ اَهْلِ الْكِتٰب) کو ظرف مستقر بنا کر شبہ فعل محذوف سے متعلق کر کے صفت بنائیں گے۔

اگر کسی نے جار مجرور (مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ) کا فعل سے تعلق جوڑا اور اس آیت کا یوں ترجمہ کیا:

کثیر نے کتابیوں سے چاہا۔

تو بالکل غلط ترجمہ کہلائے گا اور متکلم کے مقصود کے خلاف ہوگا کیونکہ قرینہ اور سیاق وسباق سے یہ واضح ہے کہ یہاں فعل سے نہیں بلکہ اسم سے تعلق جوڑنا مقصود ہے۔ ہاں اگر فعل سے تعلق جوڑنا مقصود ہوتا تو پھر ترجمہ یوں ہوتا:

کثیر نے کتابیوں سے چاہا۔

جاء الواحد من الطلاب:

محاورتی تعبیر کے مطابق بامحاورہ ترجمہ ہوگا:

ایک طالب علم آیا۔

اس مثال میں معنوی اعتبار سے جار مجرور (من الطلاب) کا فعل سے نہیں بلکہ اسم معرفہ (الواحد) سے تعلق ہے، لہذا ترکیب کلام میں اسم معرفہ کو ذوالحال اور جار مجرور (من الطلاب) کو ظرف مستقر بنا کر شبہ فعل محذوف سے متعلق کر کے حال بنائیں گے۔

جاء واحد من الطلاب:

محاورتی تعبیر کے مطابق بامحاورہ ترجمہ ہوگا:

ایک طالب علم آیا۔

قال كثير من العلماء:

کثیر علماء نے فرمایا۔

ان مثالوں میں حرف جر کا ترجمہ نہ ہونے کی صورت میں بھی عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ جار مجرور کا فعل سے نہیں بلکہ اسم سے تعلق ہے۔

(2): اگر جار مجرور کا اسم سے تعلق جوڑنا مقصود ہو اور حرف جر کا اضافت والا ترجمہ کرنے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہو تو یہ بھی اس بات کی علامت ہے کہ معنوی اعتبار سے حرف جر کا فعل سے نہیں بلکہ اسم سے تعلق ہے جیسے:

قُلْ: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيْلَ:

ترجمہ کنز الایمان: تم فرما دو جو کوئی جبریل کا دشمن ہو۔

اس مثال میں معنی کے اعتبار سے جار مجرور (لِجِبْرِيْلَ) کا اسم نکرہ (عَدُوًّا) سے تعلق ہے۔ لہٰذا ترکیب کلام میں اسم نکرہ کو موصوف اور جار مجرور کو ظرف مستقر بنا کر شبہ فعل محذوف سے متعلق کر کے صفت بنائیں گے۔

اگر کوئی جار مجرور (لِجِبْرِيْلَ) کو ظرف لغو بنائے اور ظرف لغو ہونے کی صورت میں عموماً حرف جر کے ترجمہ میں کمی زیادتی نہیں ہوتی اس اصول کے مطابق اس آیت کا یوں ترجمہ کرے:

تم فرما دو جو کوئی جبریل کے لیے دُشمن ہو۔

تو یہ غیر معیاری ترجمہ کہلائے گا کیونکہ یہ ترجمہ کرنے کی صورت میں عبارت کا معنی و مفہوم ہی بدل جائے گا۔

رَأَيْتُ الْكِتَابَ لِزَيْدٍ:

میں نے زید کی کتاب دیکھی۔

اس مثال میں معنوی اعتبار سے جار مجرور کا اسم معرفہ سے تعلق جوڑنا مقصود ہے لہٰذا ترکیب کلام میں اسم معرفہ کو ذو الحال اور جار مجرور (لزید) کو ظرف مستقر بنا کر شبہ فعل محذوف سے متعلق کر کے حال بنائیں گے۔

رأیتُ کتاباً لِزیدٍ:

میں نے زید کی ایک کتاب دیکھی۔

وسعَتْ رحمةٌ من الله:

اللہ کی رحمت وسیع ہے۔

ان مثالوں میں بھی حرف جر کا اضافت والا ترجمہ کرنے کی صورت میں عبارت کا درست معنی بن رہا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ معنی کے لحاظ سے اس جار مجرور کا اسم نکرہ سے تعلق جوڑنا مقصود ہے جو ظرف مستقر ہو کر فعل یا شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر اسم نکرہ کی صفت بنے گا۔

الحیاء شعبة من الایمان:

حیاء ایمان کی ایک خصلت ہے۔

اس مثال میں بھی معنی کے لحاظ سے جار مجرور کا تعلق اسم نکرہ (شعبة) سے ہے جو ترکیب کلام میں ظرف مستقر ہو کر فعل یا شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر اسم نکرہ کی صفت بنے گا۔

یَمْدحُه کلُّ رجُل فی الشرق والغرب:

مشرق و مغرب کے تمام مرد اس کی تعریف کرتے ہیں۔

اس مثال میں معنی کے لحاظ سے جار مجرور کا تعلق اسم سے ہی سمجھ آرہا ہے جیسا کہ سیاق وسباق سے بھی واضح ہے اور حرف جر کا اضافت والا ترجمہ کرنے کی صورت میں بھی عبارت کا درست معنی بن رہا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ معنی کے لحاظ سے اس جار مجرور کا اسم نکرہ سے تعلق جوڑنا مقصود ہے۔

الکتابُ لزید جمیل:

زید کی کتاب خوبصورت ہے۔

اس مثال میں معنوی عتبار سے جار مجرور (لِزید) کا تعلق اسم معرفہ سے ہے۔ لہذا ترکیب کلام میں اسم معرفہ (الکتابُ) کو ذوالحال اور جار مجرور ظرف مستقر ہو کر فعل یا شبہ فعل

محذوف سے متعلق ہوکر حال بنے گا۔

قَرَأْتُ الجزء الاولَ فی الهداية:

میں نے ہدایہ شریف کا پہلا حصہ پڑھا۔

اگر متکلم کا مقصود بھی یہ ہی معنی ادا کرنا ہو کہ معنوی اعتبار سے جار مجرور کا عبارت میں موجود فعل سے نہیں بلکہ اسم معرفہ سے تعلق جوڑنا مقصود ہو تو مذکورہ قاعدے کے مطابق اسم معرفہ کو ذوالحال اور جار مجرور کو ظرف مستقر بنا کر فعل یا شبہ فعل محذوف سے متعلق کر کے اس اسم معرفہ سے حال بنائیں گے۔

(3): جار مجرور کا اسم سے تعلق جوڑنا مقصود ہو اور حرف جر کا لفظ: "میں" یا "سے" یا "میں سے" یا "طرف سے" کے ساتھ ترجمہ کرنے کی صورت میں عبارت کا دُرست مطلب بن رہا ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ معنوی اعتبار سے حرف جر کا فعل سے نہیں بلکہ اسم سے تعلق ہے جیسے:

(1): نَبَذَ فَرِيْقٌ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ:

ترجمہ کنز الایمان: تو کتاب والوں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب اپنے پیٹھ پیچھے پھینک دی۔

ادبی ذوق کے لحاظ سے اس آیت کا ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے:

تو کتاب والوں میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب اپنے پیٹھ پیچھے پھینک دی۔

اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔

جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔

اس مثال میں معنی کے اعتبار سے جار مجرور (مِنَ الَّذِيْنَ) کا فعل سے نہیں بلکہ اسم نکرہ (فَرِيْقٌ) سے تعلق ہے جیسا کہ ترجمہ سے بھی واضح ہے، لہذا ترکیب کلام میں اسم نکرہ کو موصوف اور جار مجرور کو ظرف مستقر بنا کر شبہ فعل محذوف سے متعلق کر کے صفت بنائیں

گے۔

(2): جاء کُم ذِکرٌ مِنُ ربِّکم علی رجُل مِنکُم:

ترجمہ کنزالایمان: تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں ایک مرد کی معرفت۔

تمہارے رب کی طرف سے تمہیں میں سے ایک مرد کی زبانی تمہارے پاس نصیحت آئی۔

معنیٰ کے اعتبار سے جارمجرور (ربِّکم) کا فعل سے نہیں بلکہ اسم نکرہ (ذِکرٌ) سے تعلق ہے اور اسی طرح جارمجرور (مِنکُم) کا اسم نکرہ (رجُل) سے تعلق ہے۔ جیسا کہ سیاق وسباق سے بھی واضح ہے، لہذا ترکیب کلام میں اسم نکرہ کو موصوف اور جارمجرور کو ظرف مستقر بنا کر شبہ فعل محذوف سے متعلق کر کے صفت بنائیں گے۔

(3): بَعَثَ فیھم رسولاً مِنُ اَنفُسِھم:

ترجمہ کنزالایمان: ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

جارمجرور (مِنُ اَنفُسِھم) درحقیقت ظرف لغو نہیں بلکہ ظرف مستقر ہے جو فعل یاشبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر اسم نکرہ (رسولاً) کی صفت بنے گا۔ اس جارمجرور کو ظرف لغو بنا کر عبارت میں موجود بَعَثَ فعل سے متعلق کرنا غلط ہے کیونکہ معنیٰ کے لحاظ سے جارمجرور کا تعلق بَعَثَ فعل سے نہیں بلکہ رسولاً اسم نکرہ سے تعلق جوڑنے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنیٰ ومفہوم بن رہا ہے۔

(4): قالَ قائلٌ منھم:

ترجمہ کنزالایمان: ان میں ایک کہنے والا بولا۔

ان میں سے ایک کہنے والا بولا۔

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا۔

اس مثال میں معنوی اعتبار سے جارمجرور (منھم) کا فعل سے نہیں بلکہ اسم نکرہ سے تعلق ہے جو ظرف مستقر ہو کر فعل یاشبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر اسم کی صفت بنے گا۔

اگر کسی نے اس آیت کا یوں ترجمہ کیا:

ایک کہنے والے نے ان سے کہا۔

تو عبارت کا معنی بالکل بدل جائے گا اور یہ ترجمہ متکلم کے مقصود کے خلاف ہوگا جس کی وجہ سے یہ غیر معیاری بلکہ بالکل غلط ترجمہ کہلائے گا۔ کیونکہ اگر متکلم کا یہ ہی معنی ادا کرنا مقصود ہوتا تو اُسلوب عرب کے مطابق عربی عبارت یوں ہوتی:

قالَ قائلٌ لَهُم.

(5):اِنّما يَخافُ العلماءُ مِنْ عبَادِ الله:

اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔

اللہ کے بندوں میں علماء ہی ڈرتے ہیں۔

معنوی اعتبار سے جار مجرور (مِنْ عبَادِ الله) درحقیقت ظرف لغو نہیں بلکہ ظرف مستقر ہے جو فعل یا شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر حال اور اسم معرفہ (العلماءُ) ذوالحال بنے گا۔

اس جار مجرور کو ظرف لغو بنا کر یخاف فعل سے متعلق کرنا غلط ہے کیونکہ یہاں معنی کے لحاظ سے جار مجرور کا یخاف فعل سے تعلق جوڑنے کی صورت میں عبارت کا معنی بدل رہا ہے جبکہ اسم نکرہ سے تعلق جوڑنے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہے جیسا کہ ترجمہ سے بھی واضح ہے۔

اگر بالفرض کوئی ترکیب کلام میں جار مجرور (مِنْ عبَادِ الله) کو ظرف لغو بنا کر یخاف فعل سے تعلق جوڑے اور عبارت کا یوں ترجمہ کرے:

اللہ کے بندوں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔

تو معنوی اعتبار سے غیر معیاری اور بالکل غلط ترجمہ کہلائے گا۔

کیونکہ اس ترجمے سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ علماء ہی اللہ کے بندوں سے ڈرتے ہیں یعنی علماء کے دلوں میں بندوں کا ڈر ہے جبکہ علماء کے دلوں میں بندوں کا ڈر نہیں بلکہ اللہ کا ڈر ہوتا ہے۔تو موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ معنوی اعتبار سے جار مجرور (مِنْ عبَادِ الله) کا فعل سے نہیں بلکہ اسم معرفہ سے تعلق ہے۔

(6): يَقْرَأُ طالب فِي الجامعة:

اس عبارت میں دو احتمال ہیں:

اگر معنوی اعتبار سے جار مجرور (فِی الجامعة) کا فعل سے تعلق جوڑنا مقصود ہو تو اس صورت میں جار مجرور (فِی الجامعة) کو ظرف لغو بنا کر عبارت میں موجود فعل سے متعلق کریں گے اور اب اس عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا:

یونیورسٹی میں ایک طالب علم پڑھتا ہے۔

اگر معنوی اعتبار سے جار مجرور (فِی الجامعة) کا اسم نکرہ سے تعلق جوڑنا مقصود ہو تو اس صورت میں اسم نکرہ (طالب) کو موصوف اور جار مجرور (فِی الجامعة) کو ظرف مستقر بنا کر شبہ فعل محذوف سے متعلق کر کے صفت بنائیں گے اور اب اس عبارت کا ترجمہ ہوگا:

یونیورسٹی کا ایک طالب علم پڑھتا ہے/یونیورسٹی میں موجود طالب علم پڑھتا ہے۔

نوٹ:

جار مجرور کا ترجمہ کرتے وقت غور کریں کہ معنوی اعتبار سے جار مجرور کا تعلق فعل سے ہے یا اسم سے۔اگر اسم سے تعلق جوڑنا مقصود ہے تو محاورتی تعبیر کے مطابق اس کا معیاری خوبصورت ترجمہ کیسے کیا جائے: اضافت والا ترجمہ کیا جائے یا لفظ: "میں" یا "سے" یا "میں سے" یا "طرف سے" کے ساتھ ترجمہ کیا جائے یا حرف جر کا ترجمہ ہی نہ کیا جائے۔

نحوی قاعدہ:

یومَ نَحشُرُ مِنْ کُلِّ اُمّۃ فوجاً:

ترجمہ کنزالایمان: جس دن اٹھائیں گے ہم ہر گروہ میں سے ایک فوج۔

یہاں معنوی اعتبار سے جار مجرور (مِنْ کُلِّ اُمّۃ) کا فعل سے نہیں۔ بلکہ اسم نکرہ (فوجاً) سے تعلق ہے جیسا کہ ترجمہ سے بھی یہ بات واضح ہے۔ لہٰذا ترکیب کلام میں جار مجرور (مِنْ کُلِّ اُمّۃ) کو ظرف لغو نہیں بلکہ ظرف مستقر بنا کر شبہ فعل محذوف سے متعلق کر کے حال بنائیں گے اور اسم نکرہ (فوجاً) کو ذوالحال بنائیں گے۔

اگرچہ درحقیقت اصل میں جار مجرور (مِنْ کُلِّ اُمّۃ) یہ اسم نکرہ کی صفت ہی ہے مگر نحوی قاعدہ ہے کہ صفت مقدم نہیں ہو سکتی اور جب صفت مقدم ہو جائے تو ترکیب کلام میں سے حال بناتے ہیں اور حال مقدم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ نحوی قاعدہ ہے کہ جب ذوالحال نکرہ ہو۔ تو حال مقدم ہو سکتا ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوٰلِهِمْ صَدَقَةً:

ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو۔

معنوی اعتبار سے جار مجرور (مِنْ اَمْوٰلِهِمْ) کا فعل سے نہیں بلکہ اسم نکرہ (صَدَقَةً) سے تعلق جوڑنے کی صورت میں عبارت کا درست کا معنی بن رہا ہے۔ لہٰذا ترکیب کلام میں جار مجرور ظرف لغو نہیں ہوگا۔ بلکہ ظرف مستقر ہو کر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر حال اور اسم نکرہ ذوالحال ہوگا۔

یَمَسُّهم منّا عذاب الیم:

ترجمہ کنزالایمان: انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

جاء لِزید وَلَدٌ:

زید کا بچہ آیا۔

معنوی اعتبار سے جار مجرور کا اسم نکرہ سے تعلق جوڑنے کی صورت میں عبارت کا درست کا معنی بن رہا ہے، لہٰذا مذکورہ قاعدہ کے مطابق ترکیب کلام میں جار مجرور ظرف لغو

نہیں ہوگا بلکہ ظرف مستقر ہوکر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہوکر حال اوراسم نکرہ ذوالحال ہوگا۔

اگر کوئی ترکیب کلام میں جار مجرور کو ظرف لغو بنائے اور ترجمہ یوں کرے:

یَمَسُّهم منّا عذاب اليم:

انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

جاء لِزيد وَلَدٌ:

زید کا بچہ آیا۔

تو یہ ترجمہ: "الترجمةُ تحتَ التركيب" کے اصول کے مطابق نہیں ہوگا جس کی وجہ سے غیر معیاری ترجمہ کہلائے گا کیونکہ ظرف لغو مراد ہونے کی صورت میں عموماً حرف جر کا بعینہ ترجمہ کیا جاتا ہے، حرف جر کے ترجمہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ لہذا ظرف لغو مراد لینے کی صورت میں اس عبارت کا یوں ترجمہ کرنا چاہیے تھا:

انہیں ہم سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

زید کے لیے بچہ آیا۔

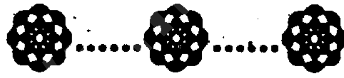
نوٹ:

مذکورہ مثالوں سے معلوم ہوا کہ معنوی اعتبار سے ظرف (جار مجرور) کا اسم نکرہ یا معرفہ سے تعلق ہونے کی صورت میں جار مجرور کا مختلف طریقوں سے ترجمہ کیا جاتا ہے: کبھی موقع محل کے اعتبار سے حرف جر کا لفظ: "میں" یا "سے" یا "میں سے" یا "طرف سے" کے ساتھ ترجمہ کیا جاتا ہے اور کبھی ادبی ذوق کے لحاظ سے اضافت والا ترجمہ کیا جاتا ہے اور کبھی حرف جر کا ترجمہ ہی نہیں کیا جاتا۔

لہذا جب جار مجرور کا اسم نکرہ یا معرفہ سے تعلق جوڑنا مقصود ہو تو اس صورت میں حرف جر کا ترجمہ کرتے وقت غور کیا جائے کہ موقع محل کے اعتبار سے محاورتی تعبیر کے مطابق ترجمہ کے مذکورہ مختلف طریقوں میں سے کونسا طریقہ زیادہ خوبصورت اور دلکش ہوگا اور الفاظ کا انتخاب اور ترتیب کیا ہونی چاہیے پھر اُسی کے مطابق ترجمہ کیا جائے۔

ترجمہ میں کمزوری کا سبب:

عبارت اور ترجمہ میں کمزوری کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بعض طلباء کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ جب جار مجرور آجائے اور عبارت میں فعل یا شبہ فعل موجود ہو تو ترکیب کلام میں اس جار مجرور کو ظرف لغو بنا کر عبارت میں موجود فعل یا شبہ فعل سے متعلق کریں گے اور یہ نہیں دیکھتے کہ معنوی اعتبار سے جار مجرور کا اسم سے تعلق ہے یا فعل سے۔ جس کی وجہ سے بسا اوقات غلط ترجمہ کرتے ہیں اور عبارت کا معنی ہی بدل جاتا ہے۔



انیسویں فصل



مِن بیانیہ یا تبعیضیہ یا زائدہ آجائے تو ترجمہ کیسے کریں؟

عبارت میں موجود "مِـنْ" حرف جر کا ترجمہ کرنے سے پہلے اس بات کی تعیین کی جائے کہ معنوی اعتبار سے مِنْ حرف جر تبعیضیہ ہے؟ یا بیانیہ؟ یا زائدہ؟ یا ابتداء غایۃ کے لیے ہے؟ اور ان میں سے کونسا معنی مراد لینے کی صورت میں عبارت کا دُرست مطلب بنے گا اور متکلم کے مقصود پر دلالت ہوگی پھر اُسی کے مطابق حرف جر کا ترجمہ کیا جائے۔ جبکہ ترجمہ کرتے وقت بعض طلباء کی اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی۔

ترجمہ کرنے کا طریقہ :

(1): مِنْ حرف جر بیـانیـہ مراد ہونے کی صورت میں تین طریقوں سے ترجمہ کیا جاتا ہے:

(1): اس صورت میں عموماً حرف جر کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔

(2): بعض اوقات محاورتی تعبیر کے مطابق حرف جر کا اضافت والا ترجمہ کیا جاتا ہے اور یہ اضافت بیانیہ کہلاتی ہے۔

(3): مِنْ حرف جر بیـانیـہ: مَنْ / مَا / الذي یا جس اسم کا بیان ہو بعض اوقات دونوں کا ایک ساتھ ملا کر ترجمہ کرنے سے ترجمہ میں حُسن پیدا ہو جاتا ہے اور عبارت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

مِـنْ بیـانیہ ظرف لغو نہیں بن سکتا بلکہ جار مجرور ظرف مستقر ہو کر اسم نکرہ سے تعلق ہونے کی صورت میں صفت بنتا ہے اور معرفہ سے تعلق ہونے کی صورت میں حال بنتا ہے۔

(2): مِنْ حرف جر زائـدہ مراد ہونے کی صورت میں عموماً حرف جر کا ترجمہ نہیں کیا جاتا اور مِنْ حرف جر زائدہ لفظاً مجرور محلاً منصوب مفعول بہ یا محلاً مرفوع فاعل بنتا ہے۔

(3): مِنْ حرف جر تبـعیضیہ مراد ہونے کی صورت میں حرف جر کے ترجمہ میں: "ایک" یا "میں" یا "میں سے" یا "کچھ" یا "کوئی" یا "بعض" کا لفظ آتا ہے۔

مثالوں کے ذریعے وضاحت :

قَرَاتُ ما اشتَرَيتُه مِنْ كتاب:

لفظی ترجمہ:

میں نے پڑھا اسے جسے میں نے خریدا تھا یعنی کتاب۔

یہاں مِنْ حرف جر بیانِ جنس کے لیے ہے اور معنوی اعتبار سے جار مجرور کا تعلق فعل سے نہیں بلکہ اسم معرفہ یعنی ہُ ضمیر منصوب متصل سے ہے جو مَا کی طرف راجع ہے۔ لہذا جار مجرور ظرف مستقر ہو کر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر حال بنے گا اور ہُ ضمیر منصوب متصل ذوالحال ہے اور محاورتی تعبیر کے مطابق اس طرح ترجمہ کیا جائے کہ مِنْ حرف جر بیانیہ کا بھی اظہار ہو:

بامحاورہ ترجمہ:

(1): میں نے وہ کتاب پڑھی جو میں نے خریدی تھی / جسے میں نے خریدا تھا۔

(2): جو کتاب میں نے خریدی تھی اسے میں نے پڑھا۔

وَمَن يَقُلْ مِنهم:

لفظی ترجمہ:

اور جو کہے ان میں سے۔

اس مثال میں مِنْ حرف جر تبعیضیہ ہے اور معنوی اعتبار سے جار مجرور کا تعلق فعل سے نہیں بلکہ معرفہ یعنی ھُو ضمیر مستتر مرفوع متصل سے ہے جو مَنْ کی طرف راجع ہے لہذا جار مجرور ظرف مستقر ہو کر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر حال اور ھُو ضمیر مستتر مرفوع متصل ذوالحال ہے اور مِنْ حرف جر تبعیضیہ کے معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمہ کیا جائے گا:

بامحاورہ ترجمہ:

(1): ترجمہ کنز الایمان: اور ان میں جو کوئی کہے۔

(2): اور ان میں سے جو کہے۔

(3): اور جو کوئی ان میں سے کہے۔

(4): اور جو شخص ان میں سے کہے۔
معنوی اعتبار سے یہاں مِنْ بیانیہ یا زائدہ مراد لینا دُرست نہیں ہے۔
ما یَوَدّ الذین کَفَرُوا مِنْ اَھْلِ الکتاب:

لفظی ترجمہ:

نہیں چاہتے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا یعنی اہل کتاب۔
یہاں مِنْ حرف جر بیانِ جنس کے لیے ہے اور معنوی اعتبار سے جار مجرور کا تعلق فعل سے نہیں بلکہ معرفہ یعنی واو جمع ضمیر مرفوع متصل سے ہے جو الذین کی طرف راجع ہے لہذا جار مجرور ظرف مستقر ہو کر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر حال اور واو جمع ضمیر مرفوع متصل ذوالحال ہے اور محاورتی تعبیر کے مطابق اس طرح ترجمہ کیا جائے کہ مِنْ حرف جر بیانیہ کی بھی ترجمانی ہو جیسے:

بامحاورہ ترجمہ:

(1): اہل کتاب کے کافر نہیں چاہتے۔
(2): وہ جو کافر ہیں کتابی وہ نہیں چاہتے۔
(3): جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے۔
قُلْ لِلْمُؤمِنین یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِھم:

لفظی ترجمہ:

تم کہو مسلمان مردوں سے نیچی رکھیں اپنی کچھ نگاہیں۔
اس آیت میں مِنْ حرف جر کا ترجمہ کرنے سے پہلے اس بات کی تعیین کی جائے کہ مِنْ حرف جر تبعیضیہ ہے یا بیانیہ یا زائدہ؟ پھر اسی کے مطابق حرف جر کا ترجمہ کیا جائے۔
مِنْ اَبْصَارِھم:
اس میں تین احتمال ہو سکتے ہیں:
(1): یہاں مِنْ حرف جر تبعیضیہ ہے اور ترکیب کلام میں جار مجرور ظرف لغو ہو کر

عل کے متعلق ہوں گے اور معنوی اعتبار سے مفعول بہ ہے۔ محاورتی تعبیر کے مطابق بامحاورہ ترجمہ یوں کیا جائے کہ مِن حرف جر تبعیضیہ کے معنیٰ کا بھی اظہار ہو جیسے:

بامحاورہ ترجمہ:

مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں۔
مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی کچھ نظریں نیچے کریں۔

یہاں مِن حرف جر تبعیضیہ مراد لینا مناسب ہے کیونکہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا دیکھنا جائز نہیں تو ان پر نظر نہ ڈالیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جنہیں دیکھنا جائز ہے۔

(2): بعض نے کہا: یہاں مِن حرف جر زائدہ ہے اور "اَبْصَارِھم" لفظاً مجرور، محلاً منصوب مفعول بہ ہے اور مِن حرف جر زائدہ مراد ہونے کی صورت میں عموماً حرف جر کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، لہذا اس صورت میں بامحاورہ ترجمہ یوں ہوگا:

بامحاورہ ترجمہ:

ایمان والوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔

(3): بعض نے کہا کہ یہاں مِن بیانیہ ہے یعنی بیانِ جنس کے لیے آیا ہے مگر اس قول پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ماقبل میں کوئی ایسا مُبْھَم لفظ نہیں ہے جس کا یہ بیان ہو/ جس کی یہ وضاحت کر رہا ہو۔

يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَب:

مِنْ اَسَاوِرَ:

اس میں تین احتمال ہیں:

(1): یہاں مِن حرف جر زائدہ ہے اور اَسَاوِرَ لفظاً مجرور، محلاً منصوب مفعول بہ ہے اور مِن حرف جر زائدہ مراد ہونے کی صورت میں عموماً حرف جر کا ترجمہ نہیں ہوتا، لہذا اس اعتبار سے اس عبارت کا بامحاورہ ترجمہ یوں ہوگا:

بامحاورہ ترجمہ:

اس میں اُنہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

(2): یہاں مِنْ بیانیہ ہے یعنی مِنْ حرف جر بیانِ جنس کے لیے ہے اور معنوی اعتبار سے جار مجرور کا تعلق فعل سے نہیں بلکہ حُلِیًّا اسم نکرہ مفعول بہ محذوف سے تعلق ہے لہذا ترکیب کلام میں مِنْ اَساوِرِ جار مجرور ظرف مستقر ہوکر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہوکر اسم نکرہ مفعول بہ محذوف کی صفت ہے اور اسم نکرہ محذوف موصوف ہے اور مِنْ حرف جر بیانیہ مراد ہونے کی صورت میں بسا اوقات اضافت والا ترجمہ کیا جاتا ہے اور یہ اضافت بیانیہ کہلاتی ہے:

بامحاورہ ترجمہ:

اس میں اُنہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

(3): یہاں مِنْ حرف جر تبعیضیہ ہے اور ترکیب کلام میں جار مجرور ظرف لغو ہوکر فعل کے متعلق ہوں گے اور معنوی اعتبار سے مفعول بہ ہے۔محاورتی تعبیر کے مطابق بامحاورہ ترجمہ یوں کیا جائے کہ مِنْ حرف جر تبعیضیہ کے معنی کا بھی اظہار ہو جیسے:

بامحاورہ ترجمہ:

اس میں اُنہیں کچھ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ:

اس میں دو احتمال ہیں:

(1): یہاں مِنْ حرف جر تبعیضیہ ہے اور معنوی اعتبار سے جار مجرور کا تعلق فعل سے نہیں بلکہ معرفہ یعنی هُو ضمیر مرفوع متصل سے ہے جو مَا کی طرف راجع ہے لہذا جار مجرور ظرف مستقر ہوکر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہوکر حال اور هُو ضمیر مرفوع متصل ذوالحال ہے اور محاورتی تعبیر کے مطابق اس طرح ترجمہ کیا جائے کہ مِنْ حرف جر تبعیضیہ کے معنی کی بھی ترجمانی ہو جیسے:

بامحاورہ ترجمہ:

قربانی میں سے جو میسر ہو۔
قربانی سے جو میسر ہو۔
(2): بعض نے کہا کہ یہاں مِنْ بیانیہ ہے بیانِ جنس کے لیے ہے۔

بامحاورہ ترجمہ:

جیسی قربانی میسر آئے۔
تو وہ قربانی کرے جو اسے میسر آسکے/ آسانی سے حاصل ہو سکے۔

فاتَّبَعُوہ اِلا فریقاً مِن المُؤمنین:

لفظی ترجمہ:

وہ اس کی اطاعت کرنے لگے مگر ایک گروہ یعنی مسلمان۔

مِن المُؤمنینَ:

اس میں مِنْ حرف جر بیانِ جنس کے لیے ہے اور معنوی اعتبار سے جار مجرور کا تعلق فعل سے نہیں بلکہ فریقاً اسم نکرہ مفعول بہ سے تعلق ہے۔ لہذا ترکیب کلام میں مِن المُؤمنینَ جار مجرور ظرف مستقر ہو کر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر اسم نکرہ مفعول بہ کی صفت اور اسم نکرہ موصوف بنے گا اور مِنْ حرف جر بیانیہ مراد ہونے کی صورت میں بسا اوقات حرف جر کا ترجمہ نہیں کیا جاتا:

بامحاورہ ترجمہ:

تو وہ اس کے پیچھے ہو لئے مگر ایک گروہ کہ مسلمان تھا۔
تو وہ اس کی اطاعت کرنے لگے مگر ایک گروہ کہ مسلمان تھا (انہوں نے اس کا اتباع نہ کیا)۔

بعض اوقات مِنْ حرف جر بیانیہ مراد ہونے کی صورت میں اضافت والا ترجمہ کیا جاتا ہے اور یہ اضافت اضافت بیانیہ کہلاتی ہے جیسے:

بامحاورہ ترجمہ:

کفار شیطان کی اتباع کرنے لگے مسلمانوں کے گروہ کے سوا۔

تنبیہ:

مِن المُؤمنينَ:

اس میں مِنْ تبعیضیہ لینا دُرست نہیں ہے۔ کیونکہ اگر مِنْ تبعیضیہ مراد لیا جائے تو اس عبارت کا مطلب ہوگا کہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے ابلیس کی اتباع کی ہے جبکہ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ:

معنوی اعتبار سے یہاں مِنْ حرف جر تبعیضیہ مراد لینا مناسب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے انہیں دنیا کی بعض بادشاہت عطا فرمائی تھی اور ترکیبِ کلام میں جار مجرور ظرف لغو ہوکر فعل کے متعلق ہوں گے اور معنوی اعتبار سے مفعول بہ ہے۔ محاورتی تعبیر کے مطابق بامحاورہ ترجمہ یوں کیا جائے کہ مِنْ حرف جر تبعیضیہ کے معنیٰ کا بھی اظہار ہو جیسے:

اے میرے رب بیشک تونے مجھے ایک سلطنت دی۔

یہاں مِنْ حرف جر زائدہ یا بیانیہ مراد لینا مناسب نہیں ہے۔

زيد يُعْتَبَرُ مِن العُلماء:

یہاں معنوی اعتبار سے جار مجرور کا تعلق فعل سے نہیں بلکہ معرفہ یعنی هُو ضمیر مرفوع متصل سے ہے جو زید کی طرف راجع ہے۔ لہذا جار مجرور ظرف مستقر ہوکر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہوکر حال اور هُو ضمیر مرفوع متصل ذوالحال ہے:

بامحاورہ ترجمہ:

زید کا علما میں شمار ہوتا ہے / زید کا علما سے شمار ہوتا ہے / زید علماء میں سے ہے۔

ما جاءَ مِن رجُل:

یہاں مِنْ حرف جر زائدہ ہے اور رجُل لفظاً مجرور، محلاً مرفوع فاعل ہے اور مِن حرف

جر زائدہ مراد ہونے کی صورت میں حرف جر کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، لہذا اس صورت میں اس عبارت کا با محاورہ ترجمہ یوں ہوگا:

لفظی ترجمہ:

نہیں آیا کوئی مرد۔

بامحاورہ ترجمہ:

کوئی بھی مرد نہیں آیا۔



بیسویں فصل



اسم نکرہ کے بعد جملہ آجائے تو ترجمہ کیسے کریں؟

جب اسم نکرہ کے بعد جملہ آجائے تو جملہ میں ایک ایسی ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو اس اسم نکرہ کی طرف لوٹے اور ترکیب کلام میں اسم نکرہ کو موصوف اور جملہ کو صفت بنائیں گے۔ اس صورت میں موقع محل کے اعتبار سے محاورتی تعبیر کے مطابق اسم نکرہ کا ترجمہ مختلف تعبیرات میں کیا جاتا ہے:

(1): اگر اسم نکرہ کی طرف ضمیر مرفوع متصل لوٹ رہی ہو تو بسا اوقات موقع محل کے اعتبار سے ترجمہ میں: "جو" یا "ایک جو" یا "ایک ایسا جو" یا "ایسا جو" یا "کچھ جو" یا "وہ جو" یا "کوئی" یا "کوئی ایسا" یا "اس جو" یا "کہ" کا لفظ بڑھا دیتے ہیں، جیسے:

اِنّی وجَدْتُ اِمْرَاۃً تَمْلِکُھم:
بیشک میں نے ایک عورت پائی/ دیکھی جو ان پر بادشاہی کر رہی ہے۔
بیشک میں نے ایک ایسی عورت پائی/ دیکھی جو ان پر بادشاہی کر رہی ہے۔
میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان پر بادشاہی کر رہی ہے۔

اِنّھم اُنَاسٌ یتطَھَّرُون:
وہ ایسے لوگ ہیں جو ستھرا پن چاہتے ہیں۔

اَمْ لَھم آلِھَۃٌ تَمْنَعُھم مِن دونِنا:
کیا اُن کے پاس کچھ خدا ہیں جو اُن کو ہم سے بچاتے ہیں۔
کیا اُن کے پاس کوئی ایسا خدا ہے جو اُن کو ہم سے بچاتا ہے۔
کیا اُن کے پاس کوئی خدا ہے جو اُن کو ہم سے بچاتا ہے۔
کیا اُن کے پاس ایسا خدا ہے جو اُن کو ہم سے بچاتا ہے۔
کیا اُن کے پاس خدا ہے جو اُن کو ہم سے بچاتا ہے۔

مِن بَعْدِ ضَرّاءَ مَسّتْہ:
اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تھی۔

ولَمْ تکُنْ لہ فِئَۃٌ یَنْصُرونہ مِن دونِ اللہ:

اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ کے سامنے اس کی مدد کرتی۔

بسا اوقات کوئی لفظ بھی نہیں بڑھایا جاتا بلکہ موقع محل کے اعتبار سے موصوف صفت والے اسلوب میں ترجمہ کرتے ہیں، مثلاً:

اِنّهم اُنَاسٌ يتَطَهَّرُون:

یہ لوگ تو ستھرا پن چاہتے ہیں۔

اِنّهم جُندٌ مُغرَقُون:

بے شک وہ لشکر ڈبو دیا جائے گا۔

لِقوم يَعْقِلُون:

عقل مندوں کے لیے۔

(2): اگر اسم نکرہ کی طرف ضمیر منصوب متصل لوٹ رہی ہو تو موقع محل کے اعتبار سے ترجمہ میں: "ایک جسے / جس کو" یا "ایسا جسے" یا "کچھ جنہیں" یا "وہ جسے" کا اضافہ کر دیا جاتا ہے جیسے:

هذا كِتابٌ اِشتَرَيتُه:

یہ ایک کتاب ہے جسے میں نے خریدا۔

یہ ایسی کتاب ہے جسے میں نے خریدا۔

یہ وہ کتاب ہے جسے میں نے خریدا۔

(3): اگر اسم نکرہ کی طرف ضمیر مجرور متصل راجع ہو تو بسا اوقات ضمیر مجرور متصل کے مطابق اسم نکرہ اور اسم نکرہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر دونوں کا ایک ساتھ ترجمہ کرنے سے ترجمہ دلکش ہو جاتا ہے اور عبارت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے، مثلاً:

فِيه: ایک / ایسا / وہ جس میں۔

عَلَيْه: ایک / ایسا / وہ جس پر۔

بِه: ایک / ایسا / وہ جس میں / جس کے ساتھ۔

مِنْهُ: ایک/ایسا/وہ جس سے۔
لَهُ: ایک/ایسا/وہ جس کے لئے/جس کی وجہ سے۔
بسا اوقات اس مذکورہ اسلوب میں ترجمہ نہیں کیا جاتا بلکہ موقع محل کے اعتبار سے ترجمہ کیا جاتا ہے، مثلاً:

لَهُم قُلوبٌ لا يَفْقَهُون بها:

لفظی ترجمہ:

ان کے لیے ایسے دل ہیں وہ سمجھتے نہیں ہیں ان سے۔

بامحاورہ ترجمہ:

وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں۔
ان کے ایسے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں۔
ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں۔
ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں۔

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ :

لفظی ترجمہ:

بیشک ان کے لیے باغات ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں۔

بامحاورہ ترجمہ:

ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔
ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔
ان کے لیے باغ ہیں ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

رَأيتُ جامعةً اَقْرَءُ فيها:

لفظی ترجمہ:

میں نے دیکھا ایک جامعہ پڑھتا ہوں میں اس میں۔

بامحاورہ ترجمہ:

میں نے ایک جامعہ دیکھا جس میں میں پڑھتا ہوں۔

میں نے وہ جامعہ دیکھا جس میں میں پڑھتا ہوں۔

میں نے ایسا جامعہ دیکھا جس میں میں پڑھتا ہوں۔

اِنْ هو اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنا عليْه:

بامحاورہ ترجمہ:

وہ تو نہیں مگر ایک بندہ جس پر ہم نے احسان کیا۔

وہ تو ہمارا ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا۔

وہ ایسا بندہ ہے جس پر ہم نے فضل کیا۔

مَرَرْتُ برجلٍ فِيْه سَيئاتٌ كثيرةٌ:

میں ایک مرد کے پاس سے گزرا جس میں بہت سی برائیاں ہیں۔

میں ایسے مرد کے پاس سے گزرا جس میں بہت ساری برائیاں ہیں۔

رَأيتُ ارضاً جَلَسْتُ عليها:

میں نے ایک زمین دیکھی جس پر میں بیٹھا تھا۔

میں نے وہ زمین دیکھی جس پر میں بیٹھا تھا۔

كرَمَاد اشْتَدَّتْ به الريحُ:

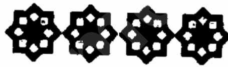
جیسے راکھ کہ اس پر ہوا کا سخت جھونکا آیا۔

مِن قَبْلِ اَنْ يَاْتِيَ يومٌ لا بيع فيه:

اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ سوداگری ہوگی۔



﴿﴾......اکیسویں فصل......﴿﴾



اضافت کی اقسام اور ان کا ترجمہ کرنے کا طریقہ

اضافت کا ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اضافت کی کونسی قسم ہے اور اس کا ترجمہ کس طریقے سے ہوتا ہے اسی وجہ سے آپ کے سامنے اضافت کی قسمیں اور ان کا ترجمہ کرنے کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے:

اضافت کی قسمیں:

اولاً اضافت کی دو قسمیں ہیں: (1): اضافت معنویہ (2): اضافت لفظیہ۔

(1): اضافت معنویہ:

اضافت معنویہ کی پہچان یہ ہے کہ مضاف اسم مشتق نہ ہو یعنی صفت کا صیغہ نہ ہو۔ اس صورت میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان حرف جر محذوف ہوتا ہے۔

اضافت معنویہ کا ترجمہ کرنے کا طریقہ:

موقع محل کے اعتبار سے محاورتی تعبیر کے مطابق اضافت معنویہ کا ترجمہ مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے:

(1): اُردو زبان میں عموماً پہلے مضاف الیہ کا پھر مضاف کا ترجمہ کرتے ہیں، جیسے:

کتابُ زید:

زید کی کتاب۔

(2): بسا اوقات موقع محل کے اعتبار سے پہلے مضاف کا پھر مضاف الیہ کا ترجمہ کیا جاتا ہے، جیسے:

هذا کتابُ زید:

یہ زید کی کتاب ہے/یہ کتاب زید کی ہے۔

اضافت معنویہ کا فائدہ:

اضافت معنویہ کے فائدے کا تعلق معنی سے ہوتا ہے۔ اس طرح کہ یہ اضافت معنی کے لحاظ سے مضاف کی تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ اضافت معنویہ کو اضافت حقیقیہ بھی

کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حقیقۃً اضافت سے مقصود مضاف الیہ کی طرف مضاف کی نسبت کرنا ہے اور یہ ہی اضافت کا حقیقی مقصود ہے۔

محذوف حرف جر کے اعتبار سے اضافت معنویہ کی چار قسمیں بنتی ہیں:

(1): اضافت بیانیہ:

یعنی مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان مِـن حرف جر محذوف ہو تو اسے اضافت بیانیہ کہا جاتا ہے۔

اضافت بیانیہ ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں:

(1): مضاف مضاف الیہ کی جنس سے ہو یا مضاف مضاف الیہ کا بعض ہو۔

(2): مضاف الیہ کے ذریعے مضاف کے بارے میں خبر دینا دُرست ہو یعنی مضاف الیہ کو خبر بنانا درست ہو۔

بابُ خشَب: لکڑی کا دروازہ۔

یہ اضافت بیانیہ ہے کیونکہ یہاں مضاف مضاف الیہ کی جنس سے ہے۔ دوسرا یہ کہ باب مضاف، خشَب مضاف الیہ کا بعض بھی ہے۔

اور مضاف الیہ کے ذریعے مضاف کے بارے میں خبر دینا بھی درست ہے: هـــذا البابُ خشَبٌ: یہ دروازہ لکڑی ہے۔

(2): اضافت ظرفیہ:

یعنی مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فِـيْ حرف جر محذوف ہو تو اسے اضافت ظرفیہ کہا جاتا ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ مضاف کے لئے مضاف الیہ ظرف زمان یا ظرف مکان بن رہا ہو۔

قیامُ اللیل:

یہ اضافت ظرفیہ ہے کیونکہ یہاں مضاف (قیام) کے لئے مضاف الیہ ظرف زمان بن رہا ہے۔ لہذا ترجمہ یوں ہوگا: رات میں قیام کرنا/رات کو قیام کرنا۔

رفیقُ المدرسة: اسکول کا دوست۔

یہ اضافت ظرفیہ ہے کیونکہ یہاں مضاف (رفیق) کے لئے مضاف الیہ ظرف مکان بن رہا ہے۔

زمیلُ الصف: کلاس فیلو۔

یہاں بھی مضاف (زمیل) کے لئے مضاف الیہ ظرف مکان بن رہا ہے۔

(3): اضافت لامیہ:

یعنی مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان لام حرف جر محذوف ہو تو اسے اضافت لامیہ کہا جاتا ہے۔

اضافت لامیہ کی پہچان:

اضافت بیانیہ کے تحت جو دو شرطیں بیان ہوئی ہیں اگر وہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں یا ان میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو اضافت لامیہ ہوگی۔

سیارةُ زید: زید کی گاڑی۔

اس مثال میں مضاف مضاف الیہ کی جنس سے نہیں ہے اور نہ ہی مضاف مضاف الیہ کا بعض ہے دوسرا یہ کہ مضاف الیہ کو خبر بنانا بھی درست نہیں ہے۔ لہذا یہ اضافت لامیہ ہے۔

یوم الخمیس، شهر رمضان.

ان مثالوں میں اضافت لامیہ ہے اس لئے کہ یہاں پہلی شرط تو نہیں پائی جارہی کیونکہ مضاف مضاف الیہ کی جنس سے نہیں ہے اور نہ ہی مضاف مضاف الیہ کا بعض ہے۔ اگرچہ یہاں دوسری شرط پائی جارہی ہے یہ کہ مضاف الیہ کو خبر بنانا درست ہے: هذا الیوم خمیس، هذا الشهر رمضان.

راسُ زید، یَدُ محمد:

ان مثالوں میں اضافت لامیہ ہے کیونکہ یہاں دوسری شرط نہیں پائی جارہی اس لیے کہ یہاں مضاف الیہ کو خبر بنانا دُرست نہیں ہے۔ اگرچہ یہاں پہلی شرط پائی جارہی ہے یہ کہ

مضاف مضاف الیہ کا بعض ہے۔

اضافت لامیہ کا فائدہ:

(1): اضافت لامیہ بسا اوقات ملکیت کا فائدہ دیتی ہے جیسے:

هذا كتابُ محمد: اىْ: كتابٌ لمحمد:

اس مثال میں اضافت لامیہ تملیک کا معنی دے رہی ہے۔

(2): بسا اوقات اختصاص کا فائدہ دیتی ہے جیسے:

هذا لِجامُ الفرس:

اس مثال میں اضافت لامیہ اختصاص کا معنی دے رہی ہے۔

(3): کبھی مضاف کی عظمت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے:

عبدُ الله: اللہ کا بندہ۔

یہاں مضاف عبد کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے کہ میں کسی عام شخص کا نہیں بلکہ اللہ کا بندہ ہوں۔

(4): بعض اوقات مضاف الیہ کی عظمت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے کہا جائے:

خادِمِی حَضَر: میرا خادم آ گیا۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ میں آقا ہوں، میں بھی ایک غلام رکھتا ہوں تو یہاں مضاف الیہ یعنی متکلم کا اپنی ذات کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے۔

(5): کبھی مضاف یا مضاف الیہ کی تحقیر و تذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(4): اضافت تشبیھیہ:

مضاف یا مضاف الیہ سے پہلے کاف تشبیہ محذوف ہو تو اضافت تشبیھیہ کہا جاتا ہے

اضافت تشبیھیہ کی پہچان:

اضافت تشبیھیہ کی دو صورتیں ہیں:

(1): کبھی مُشَبَّہ بِہ کو مُشَبَّہ کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے اور اس صورت

میں تشبیہ والا ترجمہ کرتے ہیں: جیسے:

لُجَيْنُ الماء:

یہ اضافت تشبیهیه ہے کیونکہ یہاں لُجَین مُشبَّہ به ہے اس کی الماء مُشبَّہ کی طرف اضافت کی گئی ہے۔ لہذا ایسے موقع پر تشبیہ والا ترجمہ کیا جائے گا:

چاندی جیسا پانی۔

اس مقام پر یوں اضافت والا ترجمہ کرنا مناسب نہیں: پانی کی چاندی۔

وردُ الخدود:

یہاں ورد مُشبَّہ به ہے الخدود مُشبَّہ کی مضاف ہے۔ لہذا اس صورت میں تشبیہ والا ترجمہ کریں گے:

گلاب کے پھول جیسے رخسار / گال۔

اگر کسی نے یوں ترجمہ کیا: رخسار کے پھول۔ تو غیر معیاری ترجمہ کہلائے گا۔

(2): کبھی مُشبَّہ کو مُشبَّہ به کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے اور اس صورت میں بھی تشبیہ والا ترجمہ کیا جاتا ہے، جیسے:

يَظْهرُ بزينةِ المعشوق:

یہاں زینةِ: مُشبَّہ ہے المعشوق مُشبَّہ به کی طرف مضاف ہے لہذا اس صورت میں بھی تشبیہ والا ترجمہ کیا جائے گا:

وہ معشوق جیسی زینت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔

اگر کسی نے ایسے موقع پر یوں ترجمہ کیا: معشوق کی زینت کے ساتھ۔ تو یہ غیر معیاری ترجمہ کہلائے گا۔

هجومُ غِرّ:

یہاں هجومُ: مُشبَّہ ہے، غِرّ مُشبَّہ به کی طرف مضاف ہے۔ لہذا تشبیہ والا ترجمہ کیا جائے گا: ناتجربہ کار جیسا حملہ کرنا۔

(2): اضافت لفظیہ:

یعنی جب صفت کا صیغہ اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول بہ کی طرف مضاف ہو تو اسے اضافۃ لفظیہ کہا جاتا ہے، جیسے:

ضارِبُ زید:

اس مثال میں ضارِب: صفت کا صیغہ مفعول بہ (زید) کی طرف مضاف ہے اب اس اضافت کا ترجمہ یوں ہوگا:

زید کو مارنے والا۔

جاء رجُلٌ قلیلُ الطعام:

اس مثال میں قلیل: صفت کا صیغہ فاعل کی طرف مضاف ہے جیسا کہ ترجمہ سے بھی واضح ہے اور اصل عبارت یوں تھی: قلیلٌ طعامُہ.

فائدہ:

جب صفت کا صیغہ فاعل کی طرف مضاف ہو عموماً موصوف صفت والا ترجمہ کیا جاتا ہے اضافت والا نہیں کیا جاتا۔ لہذا اب مذکورہ عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا:

کم کھانے والا شخص آیا۔

نحوی قاعدہ:

اضافت لفظیہ معرفہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود معرفہ نہیں ہوتی بلکہ نکرہ ہی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ مذکورہ عبارت میں: قلیل الطعام کو رجُلٌ اسم نکرہ کی صفت بنانا درست ہے کیونکہ قلیلُ الطعام اضافت لفظیہ ہے۔

نوٹ:

اضافت لفظیہ اس وقت تعریف کا فائدہ نہیں دیتی جب اس سے دَوام واستمرار کا معنی مراد نہ لیا جائے مگر جب اس سے دَوام واستمرار والا معنی مراد ہو تو اضافت لفظیہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے جیسے:

الحمدُ لله ربِّ العالَمين:
تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا ہمیشہ سے پالنے والا ہے۔
اس مثال میں ربِّ العالَمین اضافت لفظیہ ہے کیونکہ ربِ صفت کا صیغہ اپنے معمول مفعول بہ کی طرف مضاف ہے اور اسم جلالت لفظ اللہ معرفہ کی صفت بنانا بھی دُرست ہے کیونکہ اس سے دوام واستمرار کے معنی مراد ہیں۔
ایک تاویل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسم جلالت کو مبدل منہ اور اضافت لفظیہ رب العالمین کو بدل مان لیا جائے۔

اضافت کی مختلف صورتیں:

(1):اضافةُ الصفة الى الموصوف:
یعنی کبھی صفت کا صیغہ موصوف (فاعل) کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے مگر اس صورت میں عام طور پر اضافت والا نہیں بلکہ موصوف صفت والا ترجمہ کیا جاتا ہے: جیسے:
جاء رجُلٌ قليلُ الطعام:
اس مثال میں قلیل صفت کا صیغہ فاعل کی طرف مضاف ہے اور اصل عبارت یوں تھی: قليلٌ طعامُه، لہٰذا اب مذکورہ عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا:
کم کھانے والا شخص آیا۔
جميل الوجه:
یہاں جمیل صفت کا صیغہ فاعل: الوَجه کی طرف مضاف ہے جبکہ اصل عبارت یوں تھی: جميلٌ وَجهُه، مگر ترجمہ موصوف صفت والا ہی ہوگا: خوبصورت چہرے والا۔
كريمُ الخُلُق:
اس مثال میں کریم صفت کا صیغہ فاعل: الخُلُق کی طرف مضاف ہے اور اصل عبارت یوں تھی: كريمٌ خُلُقُه، مگر اس صورت میں ترجمہ موصوف صفت والا ہی ہوگا:
اچھے اخلاق والا۔

نوٹ:

جب صفت کا صیغہ فقط موصوف (یعنی فاعل) کی طرف مضاف ہو تو یہ اضافة الصفة الی الموصوف ہے اور اسے اضافة لفظیه بھی کہا جا سکتا ہے۔

(2): اضافةُ الموصوف الی الصفة:

یعنی کبھی موصوف کو صفت کے صیغہ کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر اس صورت میں ترجمہ اضافت والا نہیں بلکہ موصوف صفت والا کیا جاتا ہے جیسے:

مَکْرُ السَّیِّءِ:

اصل میں عبارت یوں تھی: المَکْرُ السَّیِّءُ: بُری تدبیر / بُرا داؤ۔

قدمُ صدق:

بعض نے کہا: اضافة الموصوف الی الصفة ہے یعنی موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔ لہٰذا اب موصوف صفت والا ترجمہ ہوگا: سچا مقام۔

اضافة الموصوف کا معنوی فائدہ:

اضافة الموصوف الی الصفة کا معنوی فائدہ یہ ہے کہ اس طرح کی اضافت کے ذریعے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ موصوف کے ساتھ صفت کا التزام پایا جاتا ہے۔

نوٹ:

نحوی علمائے کرام نے فرمایا: موصوف کو صفت کے صیغے کی طرف مضاف کر کے ذکر کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا اس طرح کی اضافت میں یہ تاویل کی جائے گی کہ مضاف الیہ (یعنی صفت کے صیغے) سے پہلے موصوف محذوف مانیں گے مثلاً:

مَکْرُ السَّیِّءِ:

ہم کہیں گے کہ اصل عبارت یوں تھی: مَکْرُ العَمَلِ السَّیِّءِ.

مسجدُ الجامع:

تاویل یہ ہوگی کہ ہم کہیں گے کہ اصل عبارت یوں تھی: مسجدُ المکان الجامع.

دارُ الآخِرة:
اصل میں عبارت یوں تھی: دارُ الحیاةِ الآخرة.
صلاةُ الاولی:
تاویل یہ ہوگی کہ اصل میں عبارت یوں تھی: صلاةُ الساعة الاولی.
(3): اضافةُ المصدر الی الفاعل:
یعنی کبھی مصدر کو فاعل کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر متکلم مصدر کی اضافت بالفعل فاعل کی طرف کرنا چاہتا ہے تو عام طور پر اس طرح کی اضافت کا ترجمہ کرتے وقت موقع کی مناسبت سے لفظ "کا" یا "کے" یا "کی" وغیرہ آتا ہے جو فاعل ہونے پر دلالت کرے، جیسے:
ضَربُ زید:
اگر بالفعل مصدر کی اضافت فاعل کی طرف کرنا مقصود ہے یعنی مضاف الیہ: زید کو فاعل بنانا چاہتے ہیں تو اس صورت میں اس اضافت کا فاعل والا ترجمہ ہوگا:
زید کا مارنا یعنی مارنے والا زید ہے۔
إن أخذه أليم شديد:
یہاں بالفعل مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے، لہذا اس کا ترجمہ ہوگا:
بیشک اس کی پکڑ بڑی شدید دردناک ہے۔
(4): اضافةُ المصدر الی المفعول به:
یعنی کبھی مصدر کو مفعول بہ کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔ لہذا اگر بالفعل مفعول بہ کی طرف اضافت کرنا مقصود ہو مطلب یہ کہ مضاف الیہ کو مفعول بہ بنانا مقصود ہو تو عموماً اس طرح کی اضافت کے ترجمہ میں موقع محل کے اعتبار سے لفظ: "کو" یا "کی" یا "میں" یا "سے" وغیرہ علامتِ مفعول استعمال کرتے ہیں:
لا یَرجُوْن لِقَاءَ نا:

یہاں لِقَاءَ: مصدر کی اضافت مفعول بہ کی طرف کرنا مقصود ہے۔تو اس صورت میں اس اضافت کا مفعول بہ والا ترجمہ ہوگا:

ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے۔

ضَرْبُ زیدٍ:

اگر "ضَـــرْب" مصدر کی اضافت مفعول بہ کی طرف کرنا مقصود ہے تو اس صورت میں اس اضافت کا مفعول بہ والا ترجمہ ہوگا:

زید کو مارنا۔

بسا اوقات اس طرح کی اضافت کا ترجمہ کرتے وقت لفظ " کو "یا" کی" وغیرہ کچھ نہیں آتا جیسے:

قراءۃُ الکتاب:

سیاق وسباق اور قرینہ سے واضح ہے کہ یہاں مضاف الیہ کو مفعول بہ بنانا مقصود ہے لہذا اب اس اضافت کا ترجمہ یوں ہوگا:

کتاب پڑھنا۔

نوٹ:

اس قسم کی اضافت کا ترجمہ کرتے وقت ترجمہ کرنے والے کو دونوں پہلوؤں کا خیال رکھنا چاہیے کہ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف کرنا مقصود ہے یا مفعول بہ کی طرف، سیاق وسباق اور موقع محل کے مطابق ایک صورت کا تعین کر کے اضافت کا ترجمہ کیا جائے۔

(5):اضافۃُ المصدر الی الظرف:

کبھی مصدر کو ظرف کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے جیسے:

هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِکَ:

یہاں مصدر (فراق) کی اضافت ظرف کی طرف ہے لہذا اب ترجمہ یوں ہوگا:

یہ میری اور آپ کی جدائی ہے۔

تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُر:
چار مہینے انتظار کرنا ہے/ چار مہینے کی مہلت ہے۔
معنوی اعتبار سے یہاں مصدر کی اضافت ظرف مفعول فیہ کی طرف ہے۔مگر مجازاً یہ مفعول بہ ہے۔

(6):اضافةُ العام الی الخاصّ:
یعنی کبھی عام کو خاص کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے اور اس طرح کی اضافت میں خاص طور پر مضاف الیہ مراد و مقصود ہوتا ہے:
یومُ الجمعة: جمعہ کا دن۔
شهرُ رمضان: رمضان کا مہینہ۔
ذبابُ النحل: شہد کی مکھی۔
مدينةُ كراتشي: شہر کراچی۔
ان مثالوں میں مضاف عام اور مضاف الیہ خاص ہے۔تو یہاں عام کی اضافت خاص کی طرف ہے۔

بَهِيْمَةُ الانْعَام:
اس اضافت میں دو احتمال ہیں:
(1):بعض نے کہا:اضافةُ العام الی الخاصّ ہے۔یعنی "بهيمة" عام ہے اور "الانعام" خاص ہے۔تو یہاں اس مثال میں عام کی اضافت خاص کی طرف ہے اور خاص طور پر الانعام مراد ہے لہذا ترجمہ یوں ہوگا:
بے زبان مویشی/ بے زبان چوپائے/ چوپائے مویشی۔
(2):بعض نے کہا: یہ اضافت بیانیہ ہے۔اصل میں عبارت یوں تھی:
بهيمةٌ مِن الانْعَام:
نوٹ:

اضافت بیانیہ اور اضافۃُ العام الی الخاص کا معنوی فائدہ یہ ہے کہ جو چیز مراد ہوتی ہے اضافت کے ذریعے اس کی وضاحت کرنا مقصود ہوتا ہے۔

فائدہ:

لا یجوز اضافۃُ الخاص الی العام:
یعنی خاص کو عام کی طرف مضاف کر کے ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح کی اضافت سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ لہذا: جمعۃُ الیوم، رمضانُ الشھر کہنا درست نہیں ہے۔

(7): اضافۃ المُسَبَّب الی السبب:
یعنی کبھی مُسبب کو سبب کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے، جیسے:

خیَارُ العیب:
یہاں (خیار) مُسبب کی اضافت (العیب) سبب کی طرف ہے۔ یعنی ایسا اختیار جو خریدی ہوئی چیز میں عیب معلوم ہو جانے کی وجہ سے مشتری کو حاصل ہوتا ہے۔

(8): اضافۃ السبَب الی المُسَبَّب:
یعنی کبھی سبب کو مُسبب کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے، جیسے:

یا قَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَھْدِکُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ:
اے میری قوم میرے پیچھے چلو میں تمہیں بھلائی کی راہ بتاؤں/ ہدایت کا راستہ بتاؤں۔
یہاں (سبیل) سبب کی اضافت (الرشاد) مُسبب کی طرف ہے یعنی ایسا راستہ جس کی وجہ سے بھلائی/ ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

(9): اضافۃ الشیء الی سببہ:
یعنی کبھی کسی شی کو اس کے سبب کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے، جیسے:

سجود السھو:

صلاۃُ الظھر: کیونکہ ظہر وقت بھی سبب ہے۔

(10):اضافةُ الشیء الی ظرفه(وقته):
یعنی کبھی کسی شی کو اس کے ظرف (وقت) کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے، جیسے:
صلاةُ الظهر:
مکر اللیلِ والنهار:
(11):اضافةُ الجزء الی الکلّ:
یعنی کبھی جزء کو کل کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے جیسے:
لَحْمُ الانسان:
یہاں جزء کی اضافت کُل کی طرف ہے۔
(12):اضافةُ البعض الی الکلّ:
یعنی کبھی بعض کو کل کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے جیسے:
حق الیقین۔
(13):اضافةُ التشریف والتکریم:
یعنی بسا اوقات مضاف یا مضاف الیہ کی شان وعظمت ظاہر کرنے کے لیے اضافت کی جاتی ہے، جیسے:
آمَنَ الرسولُ بمَا اُنْزِلَ الیه مِنْ رَبّه:
(رب) مضاف کی اضافت ضمیر کی طرف اضافت تشریفیہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کی امتیازی حیثیت اور شان وعظمت واضح کرنے کے لیے کی گئی ہے۔
روحُ الله:
یہ اضافت تشریفیہ ہے۔ یہاں روح کی اضافت خدا کی طرف اس روح کی عظمت وشرافت ظاہر کرنے کے لیے کی گئی ہے۔
(14):اضافةُ الشیء الی مرادفه:
یعنی کبھی کسی شی کو اس کے ہم معنی کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا جاتا ہے جیسے
قمحُ بر، لیث اسد:

بائیسویں فصل



لفظ "کُلّ" اور "بَعْض" کا ترجمہ کرنے کا طریقہ

لفظ "کُل" کے استعمال کی تین صورتیں ہیں:

(1): لفظ کُلّ جب اسم نکرہ پر یا جمع معرفہ پر یا معنًی جمع معرفہ پر داخل ہو تو عموم افراد کے لئے ہوتا ہے، اس صورت میں اس کا ترجمہ: سب / تمام / ہر: سے کیا جاتا ہے، مثلاً:

كُلُّ قلب/ كُلُّ القلوب:

دونوں صورتوں میں اس عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا: تمام قلوب / ہر دل۔

كُلُّ رُمان حلوٌ:

اس عبارت میں بھی لفظ "کُلّ" عموم افراد کا معنی دے رہا ہے لہذا ترجمہ ہوگا:

تمام انار میٹھے ہیں / سب انار میٹھے ہیں / ہر انار میٹھا ہے۔

ان تمام تعبیرات کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے کہ جتنے بھی انار ہیں سب میٹھے ہیں۔

(بحوالہ عمدۃ القاری)۔

انّ الله على كُلّ شىء قدير:

مذکورہ اصول کے مطابق ترجمہ ہوگا:

بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے / بیشک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

كُلُّ نفس ذائقة الموت:

ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

یہ ہی وجہ ہے کہ علمائے کرام نے فرمایا:

اگر اپنی بیوی کو کہا: انتِ طالق كُلّ تطليقة:

تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ کیونکہ مذکورہ اصول کے مطابق اس عبارت کا معنی ہے:

تجھے تمام / سب طلاقیں ہیں۔

(2): جب لفظ "کُـل" مفرد معرفہ پر داخل ہو تو عموم اَجزاء کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی اس مفرد کا ہر ہر جزء مراد ہوتا ہے، جیسے:

كلُّ الرمان حلو:

اس عبارت میں لفظ "کُلّ" عموم اَجزاء کا معنی دے رہا ہے، لہذا ترجمہ یوں ہوگا:
پورا انار میٹھا ہے یعنی اس انار کا کوئی بھی دانہ کھٹا نہیں ہے۔
(بحوالہ عمدۃ القاری شرح بخاری، تفسیر صاوی)۔
اگر کسی نے اس صورت میں مذکورہ عبارت کا یوں ترجمہ کیا:
تمام انار میٹھے ہیں / سب انار میٹھے ہیں / ہر انار میٹھا ہے۔ تو قاعدہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر معیاری ترجمہ کہلائے گا۔

لا تَبسُطْها کلَّ البسط:

ترجمہ کنز الایمان: نہ پورا کھول دے۔

کل زید جمیل:

پورا زید خوبصورت ہے۔
یہ ہی وجہ ہے کہ علمائے کرام نے فرمایا: اگر اپنی بیوی کو کہا:

انتِ طالق کُلَّ التطلیقۃ:

تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی کیونکہ اس عبارت کا معنی ہے: تجھے پوری ایک طلاق ہے۔

نوٹ:

جب لفظ "کُلّ" مفرد معرفہ پر داخل ہو تو بسا اوقات قرینہ پائے جانے کے وقت عموم افراد کا معنی دیتا ہے اور اس صورت میں اس کے ترجمے میں: سب / تمام / ہر: آتا ہے:

کُلُّ الطعام کانَ حلًّا لبنی اسرائیل:

ترجمہ کنز الایمان: سب کھانے بنی اسرائیل کو حلال تھے۔

کُلُّ الطلاق واقع:

اس کا ترجمہ ہوگا: ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔
ان مثالوں میں یہ تاویل بھی ہو سکتی ہے: "الطعام" اور "الطلاق": معنًی جمع معرف باللام ہوں اسی وجہ سے ان کا عموم افراد والا ترجمہ کیا گیا ہو۔

(3): جب لفظ کُلّ مضاف ہو کر استعمال نہ ہو یعنی اضافت کے بغیر استعمال ہو تو موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے اس سے مفرد والا معنی بھی مراد ہو سکتا ہے اور جمع والا معنی بھی جیسے:

كُلّ لَه اوّاب:

اس مثال میں لفظ کل مفرد کے معنی میں ہے۔

كُلٌّ لَه قانتون:

اس مثال میں جمع کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔

لفظ بَعْض کا ترجمہ کرنے کا طریقہ:

موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے لفظ: "بَعْض" کا ترجمہ ان مختلف الفاظ: بعض / ایک / کچھ / چند کے ساتھ کیا جاتا ہے، جیسے:

قال بعضُ العلماء:

بعض علمائے کرام نے فرمایا۔

رایتُ بعضَ الصالحین فی المنام:

میں نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا۔

اشتریتُ بعضَ الاشیاء:

میں نے کچھ / چند چیزیں خریدی۔



تئیسویں فصل



مضاف یا مضاف الیہ کی صفت کا ترجمہ کرنے کا طریقہ

اگر عربی زبان میں مضاف کی صفت بیان کرنی ہو تو مضاف الیہ کے بعد لائی جاتی ہے مگر اُردو زبان میں پہلے مضاف الیہ کا پھر مضاف کی صفت کا پھر مضاف موصوف کا ترجمہ کیا جاتا ہے جیسے:

ولدُ زید الجمیلُ:

اس اضافت کا ترجمہ کرنے سے پہلے اگر سیاق وسباق اور موقع محل کے اعتبار سے یہ واضح ہو جائے کہ مضاف کی صفت بیان کرنا مقصود ہے تو اب اس اضافت کا ترجمہ یوں ہوگا:

زید کا خوبصورت لڑکا۔

اور اگر عربی زبان میں مضاف الیہ کی صفت بیان کرنی ہو تو تب بھی مضاف الیہ کے بعد لائی جاتی ہے۔ مگر اُردو زبان میں پہلے مضاف الیہ کی صفت کا پھر مضاف الیہ موصوف کا پھر آخر میں مضاف کا ترجمہ کیا جاتا ہے جیسے:

ولدُ زید الجمیلِ:

اس اضافت کا ترجمہ کرنے سے پہلے اگر سیاق وسباق اور قرینہ سے یہ واضح ہو جائے کہ مضاف الیہ کی صفت بیان کرنا مقصود ہے تو اب اس اضافت کا ترجمہ یوں ہوگا:

خوبصورت زید کا لڑکا۔

نوٹ:

اس قسم کی اضافت کا ترجمہ کرتے وقت ترجمہ کرنے والے کو دونوں پہلوؤں کا خیال رکھنا چاہیے کہ مضاف کی صفت بیان کرنا مقصود ہے یا مضاف الیہ کی، موقع کی مناسبت سے اس کا تعین کر کے اضافت کا ترجمہ کیا جائے۔

عربی میں ترجمہ کرنے کا طریقہ:

اگر اس قسم کے مرکبات کی عربی بنانی ہو تو پہلے مرکب اضافی کی عربی بنائی جائے پھر آخر میں مضاف یا مضاف الیہ کی صفت کو ذکر کیا جائے، مثلاً:

زید کی خوبصورت کتاب:

اب اس مرکب میں صفت کی عربی بعد میں ذکر کی جائے، لہذا پہلے ہم مرکب اضافی کی عربی بنائیں گے: کتابُ زید، پھر آخر میں کتاب مضاف موصوف کی صفت کی عربی ذکر کریں گے: الجمیلُ: اب مکمل مرکب یوں ہوگا: کتابُ زید الجمیلُ.

مذکورہ مثال میں اس جانب بھی توجہ کی جائے کہ صفت پر الف لام لگا کر اسے معرفہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ الجمیلُ، کتاب موصوف کی صفت ہے جو کہ زید معرفہ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہو چکا ہے، اسی وجہ سے الجمیلُ صفت کو معرفہ ذکر کیا گیا ہے۔

اگر کسی نے مذکورہ مرکب: "زید کی خوبصورت کتاب" کی عربی یوں بنائی: کتابُ زید جمیل، یعنی جمیل کو بغیر الف لام کے نکرہ ذکر کیا تو یہ عربی درست نہیں ہوگی بلکہ اب اس کلام ترجمہ یوں ہوگا: زید کی کتاب خوبصورت ہے۔ یعنی اس صورت میں لفظ جمیل، کتاب کی صفت نہیں بنے گا بلکہ خبر بن جائے گا اور مذکورہ کلام: کتابُ زید جمیل (زید کی کتاب خوبصورت ہے) جملہ اسمیہ کہلائے گا جس کے اردو ترجمہ میں "ہے" آتا ہے۔ جبکہ کتابُ زید الجمیلُ (زید کی خوبصورت کتاب) مرکب ناقص ہے جس کے اردو ترجمہ میں "ہے" نہیں آتا۔



چوبیسویں فصل



تمییز کی مختلف صورتیں اور ترجمہ کرنے کا طریقہ

تمییز کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ عبارت میں تمییز کی کونسی صورت مراد ہے موقع محل کے اعتبار سے تمییز کی کسی ایک صورت کا تعین کیا جائے پھر اسی صورت کے مطابق ترجمہ کیا جائے۔

تمییزکی مختلف صورتیں:

(1): کبھی تمییز مُحوَّل عن المبتدا ہوتی ہے اور اس کا ترجمہ تمییز کو مبتدا کی طرف مضاف کر کے کرتے ہیں جیسے:

زید اکثرُ علماً:

اس کا معیاری ترجمہ یوں ہوگا: زید کا علم زیادہ ہے۔

بعض اوقات تمییز مُحوَّل عن المبتدا کا ترجمہ ان مختلف تعبیرات میں کیا جاتا ہے:

زید زیادہ علم والا ہے/ زید زیادہ جانتا ہے/ زید علم کے اعتبار سے زیادہ ہے۔

اگرچہ یہ ترجمہ چل تو جائے گا لیکن اس عبارت کا اصل مفہوم ادا نہیں ہوگا۔

(2): کبھی تمییز، مُحَوَّل عن المفعول ہوتی ہے مُحَوَّل عن المفعول کا ترجمہ مفعول والا کریں گے یعنی تمییز کو مفعول کی طرف مضاف کر کے ترجمہ کریں گے جیسے:

فَزَادَھُم ایماناً:

یہاں تمییز مُحَوَّل عن المفعول ہے لہذا اس کا معیاری ترجمہ یوں ہوگا:

تو اس نے ان کے ایمان کو اور بڑھایا۔

زادنی ھذا الکتابُ علماً:

یہاں تمییز مُحَوَّل عن المفعول ہے لہذا اس کا معیاری ترجمہ یوں ہوگا:

اس کتاب نے میرے علم کو اور بڑھا دیا/اس کتاب نے میرے علم میں اضافہ کیا۔

ربّ زدنی علما:

یہاں تمییز مُحَوَّل عن المفعول ہے لہذا اس کا معیاری ادبی ترجمہ یوں ہوگا:

اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔

بعض اوقات تمییز مُحَوَّل عن المفعول کا ترجمہ اس تعبیر میں کیا جاتا ہے:
اے میرے رب مجھے علم کے اعتبار سے / علم میں زیادہ فرما
اگر چہ یہ ترجمہ چل تو جائے گا لیکن اس عبارت کا اصل مفہوم ادا نہیں ہوگا۔
(3): کبھی تمییز، مُحَوَّل عن الفاعل ہوتی ہے اور مُحَوَّل عن الفاعل کا ترجمہ فاعل والا کریں گے یعنی تمییز کو فاعل کی طرف مضاف کر کے ترجمہ کریں گے جیسے:
حَسُنَ زید وجهاً:
یہاں تمییز مُحَوَّل عن الفاعل ہے۔لہذا اس کا معیاری ادبی ترجمہ یوں ہوگا:
زید کا چہرہ خوبصورت ہے۔
بعض اوقات تمییز مُحَوَّل عن فاعل کا ترجمہ اس تعبیر میں کیا جاتا ہے:
زید خوبصورت چہرے والا ہے۔
(4): کبھی تمییز، غیر مُحَوَّل ہے اس کا ترجمہ عموماً "سے" کے ساتھ کیا جاتا ہے:
اِمْتَلأَ الاِنَاءُ ماءً:
یہاں تمییز غیر مُحَوَّل ہے۔لہذا اس کا معیاری ادبی ترجمہ یوں ہوگا:
برتن پانی سے بھر گیا۔

پچیسویں فصل



کلمہ مَا کی مختلف قسمیں اور ترجمہ کرنے کا طریقہ

کلمہ مَا مختلف قسمیں:

مَا کی دس قسمیں ہیں: اولا: مَا کی دو قسمیں ہیں:

(1):مَا اسمیہ۔(2):مَا حرفیہ۔

پھر مَا اسمیہ کی چھ قسمیں ہیں:

(1):مَا اسمیہ استفھامیہ:

یعنی کبھی: مَـا اسـمیہ استفہام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس صورت میں اس کا معنی ہوتا ہے:"کیا" یا" کیا چیز"۔

جب مَا استفہام کے معنی میں استعمال ہو تو اس صورت میں اس کی تین صورتیں ہیں:

(1):مَا استفھامیہ: ترکیب کلام میں کبھی مبتدا بنتا ہے جیسے:

ما ھذا: یہ کیا ہے۔

اس مثال میں مَا استفھامیہ: مبتدا ہے۔اصطلاح میں یوں کہیں گے:

ما أستفھامیہ مبنی بر سکون، مبتدا ہونے کی وجہ سے مَحلاً مرفوع۔

(2):مَا استفھامیہ: ترکیب کلام میں کبھی خبر واقع ہوتا ہے جیسے:

مَا اِسْمُکَ: تمہارا نام کیا ہے۔

یہاں خبر مقدم بن رہا ہے۔

مَا شُغُلُکَ: تمہاری کیا مصروفیت ہے۔

اس مثال میں بھی خبر مقدم بن رہا ہے۔اصطلاح میں یوں کہیں گے:

ما استفھامیہ مبنی بر سکون، خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع۔

(3):کبھی مَا استفھامیہ: ترکیب کلام میں مفعول بہ بنتا ہے جیسے:

مَا شَاھَدْتَ؟ تم نے کیا دیکھا؟

اس مثال میں ما استفہامیہ مفعول بہ مقدم بن رہا ہے۔

مَا اَکَلْتَ؟ تم نے کیا کھایا؟/ تم نے کیا چیز کھائی ہے؟

اس عبارت میں مفعول بہ مقدم بن رہا ہے۔اصطلاح میں یوں کہیں گے:
ما استفهاميه مبنی بر سکون، مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب۔
(4): کبھی مَا استفهاميه: ترکیب کلام میں مجرور واقع ہوتا ہے جیسے:
عَمَّا يَتَسَائَلُوْن:
لوگ آپس میں کس چیز کے بارے میں سوال کررہے ہیں۔
کس چیز کی نسبت پوچھ گچھ کررہے ہیں۔
یہاں عَمَّا اصل میں عَنْ مَا تھا۔عَنْ حرف جراور مَا اسم استفہام مجرور ہے۔

(2): مَا موصولہ/ ما اسم موصول:

یعنی بسا اوقات مَا اسمیہ، موصول یعنی الذی/ التی وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور غیر ذوی العقول پر دلالت کرتا ہے۔
اس صورت میں اس کا ترجمہ: "وہ" یا "جو" یا "وہ جو" یا "جو کچھ" کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

نوٹ:

یہ یاد رہے کہ اسم موصول کا صِلہ ہمیشہ یا تو جملہ ہوتا ہے یا شبہ جملہ۔اور جملہ میں ایک ایسی ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو ما اسم موصول کی طرف لوٹے۔
اور ترکیبِ کلام میں صِلہ کا محلاً کوئی اعراب نہیں ہوتا اور عربی میں یوں کہا جاتا ہے:
لاَ مَحَلَّ لَهُ مِنَ الاعراب۔
جب مَا: موصول یعنی الذي کے معنی میں استعمال ہو تو اس صورت میں ترکیب کلام میں اس کی مختلف صورتیں بنتی ہیں:
(1): مَاموصوله: ترکیب کلام میں کبھی مبتدا بنتا ہے جیسے:
مَا عِنْدَكم يَنْفَد:
(1): ترجمہ کنزالایمان: جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا۔
(2): جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا۔

یہاں ما اسم موصول مبنی بر سکون محلا مرفوع بمعنی: الذی مبتدا ہے اور عِنْدَکُم اس کا صلہ ہے اور یَنْفَد خبر بن رہا ہے۔

(2): کبھی مَا اسم موصول: ترکیب کلام میں خبر بنتا ہے جیسے۔

الغریبُ ما رَوَاہ راو واحِدٌ:

نوٹ:

"مَا" سے جو چیز مراد ہو، لفظوں میں اسے ظاہر کر دینے سے عبارت کا مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور ترجمہ میں حُسن پیدا ہو جاتا ہے۔ لہذا ترجمہ کرتے وقت خاص طور پر اس بات کا خیال رکھا جائے۔ لہذا اگر یہاں: "مَا" سے مراد حدیث ہو تو یوں ترجمہ کیا جائے:

لفظی ترجمہ:

غریب وہ حدیث ہے جسے روایت کرے ایک راوی۔

بامحاورہ ترجمہ:

غریب وہ حدیث ہے جسے ایک شخص نے روایت کیا ہو۔

غریب وہ حدیث ہے جسے ایک راوی روایت کرے۔

اس طرح ترجمہ نہ کریں: غریب وہ/ وہ چیز ہے جس کو ایک راوی روایت کرے۔

کیونکہ اس طرح کا ترجمہ کرنے سے عبارت کا مفہوم واضح نہیں ہوگا۔

یہاں ما اسم موصول مبنی بر سکون محلا مرفوع بمعنی: الذی خبر بن رہا ہے۔

(3): کبھی مَا اسم موصول: ترکیب کلام میں مفعول بہ واقع ہوتا ہے۔

اس صورت میں موقع کی مناسبت سے: مَا اسم موصول اور اسم موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر دونوں کا ایک ساتھ ملا کر ترجمہ کرنے سے ترجمہ میں حُسن پیدا ہو جاتا ہے جیسے:

اِشْتَرَیْتُ مَا اَحْتَاجُ اِلَیہ:

لفظی ترجمہ:

میں نے خریدی وہ چیز محتاج ہوں / مجھے ضرورت ہے اس کی طرف۔

یہاں مَـــا اسم موصول مبنی برسکون مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ اوراسم موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر الَیْہ میں "ہِ" ضمیر مجرور متصل ہے لہذا دونوں کوایک ساتھ ملا کرمعیاری ترجمہ یوں ہوگا:

بامحاورہ ترجمہ:

میں نے وہ چیز خریدی جس کی مجھے ضروت ہے/میں نے ضرورت کی چیز خریدی۔

اللہ یَعْلَمُ مَا فِی انفسکمِ:

اس مثال میں یہاں ما موصولہ مبنی برسکون محلا منصوب مفعول بہ ہے۔

فِی انفسکم: ظرف مستقر، شبہ فعل محذوف سے متعلق ہوکر ما اسم موصول کا صِلہ بن رہا ہے۔

(1): اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔

(2): اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے۔

اَعْطَانِیْ مَا جَمَعَہٗ مِن المالِ:

اگر آپ کے سامنے یہ عبارت موجود ہو تو پہلے یہ غور کریں کہ مَـا کی تو بہت سی اقسام ہیں یہاں کس معنی میں استعمال ہورہا ہے۔ تھوڑی سی توجہ کرنے یہ واضح ہوجائے گا کہ مَـــا اسم موصول مبنی برسکون مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔

اور جَـمَعَہٗ اسم موصول کا صِـلہ ہے اس میں "ہٗ" ضمیر منصوب متصل مفعول بہ مَا اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے۔

اس کے بعد یہ غور کریں مِــن الـمـال جار مجرور کا تعلق معنوی اعتبار سے اسم معرفہ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ سے ہے یا فعل سے ہے۔

تو غور وفکر کرنے سے یہ واضح ہوجائے گا کہ جار مجرور کا تعلق اسم معرفہ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ سے جوڑنے کی صورت میں عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہے۔

قاعدہ ہے: جب معنوی اعتبار سے جار مجرور کا تعلق اسم معرفہ سے ہو تو ترکیب کلام میں

اسم معرفہ کو ذوالحال اور جار مجرور کو شبہ فعل محذوف سے متعلق کر کے حال بناتے ہیں۔

اَعْطَانِیْ مَا جَمَعَهُ مِنَ المال:

اس عبارت میں "هُ" اسم معرفہ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ذوالحال ہے اور مِن المال: جار مجرور ظرف مستقر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے اور مِن بیانیہ ہے۔

لفظی ترجمہ:

(1): اس نے دی مجھے وہ چیز اس نے جمع کیا تھا اس کو یعنی مال۔

(1): اس نے دی مجھے وہ چیز جس کو اس نے جمع کیا تھا اس حال میں کہ وہ مال ہے۔

فائدہ:

جب مَا اسم موصول کا بیان "مِنْ" بیانیہ کے ذریعے آرہا ہو تو بسا اوقات اسم موصول اور اس کا جو بیان آرہا ہو دونوں کا ایک ساتھ ملا کر ترجمہ کرنے سے بامحاورہ ترجمہ دلکش اور خوبصورت ہو جاتا ہے:

بامحاورہ ترجمہ:

(1): اس نے مجھے وہ مال دیا جو اس نے جمع کیا ہوا تھا۔

(2): اس نے مجھے وہ مال دیا جسے اس نے جمع کر رکھا تھا۔

(3): اس نے مجھے اپنا جمع کیا ہوا مال دیا۔

فائدہ:

اگر اسم موصول کی طرف ضمیر منصوب متصل لوٹ رہی ہو تو بسا اوقات اختصار کی وجہ سے ضمیر منصوب متصل کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ عبارت یوں بھی ہو سکتی ہے:

اَعْطَانِیْ مَا جَمَعَ مِنَ المالِ.

یہاں جَمَعَ اصل میں جَمَعَهُ تھا "ہ" ضمیر منصوب متصل محذوف مانیں گے جو مَا اسم موصول کی طرف لوٹے گی۔

نوٹ:

"مَا" سے جو چیز مراد ہو، لفظوں میں اسے ظاہر کردینے سے عبارت کا مفہوم زیادہ واضح ہوجاتا ہے اور ترجمہ میں حُسن پیدا ہوجاتا ہے۔ لہذا ترجمہ کرتے وقت خاص طور پر اس بات کا خیال رکھا جائے۔ مثلاً:

وَجَدْتُ مَا حَاوَلْتُ لَهُ:

لفظی ترجمہ:

میں نے پالیا اس چیز (اس مقصد) کو جس کے لئے میں نے کوشش کی تھی۔

بامحاورہ ترجمہ:

میں نے جس مقصد کے لئے کوشش کی تھی اُسے پالیا۔

مفہومی ترجمہ:

میں نے اپنا مقصد حاصل کرلیا۔

(4): کبھی مَا اسم موصول: ترکیب کلام میں مجرور بنتا ہے جیسے:

واللہُ خَبیر بِمَا تَعْمَلُون:

لفظی ترجمہ:

اور اللہ جانتا ہے وہ جو/ جو کچھ/ جو تم کرتے ہو۔

بامحاورہ ترجمہ:

اور جو تم کام کرتے ہو، اللہ اسے جانتا ہے۔

اللہ اس سے خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

مفہومی ترجمہ:

اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

ترکیب نحوی:

اس مثال میں "بـــاء" حرف جر ہے اور "مـــا" اسم موصول مبنی بر سکون محلاً مجرور ہے اور معنوی اعتبار سے "خَبیر" اسم فاعل کا مفعول بہ بن رہا ہے اور " تَعْمَلُون "اسم موصول کا

صلہ ہے اور "مــــا" موصولہ کی طرف لوٹنے والی "ہُ" ضمیر منصوب متصل محذوف ہے۔

تَعْمَلُون اصل میں: تَعْمَلُونَہ تھا۔

ما اسم موصول اپنے صلہ سے ملکر مجرور۔ اور جار مجرور ظرف لغو ہو کر "خَبِیــــر" اسم فاعل کے متعلق ہوں گے۔

فائدہ:

جب ما اسم موصول کی طرف ضمیر منصوب متصل لوٹ رہی ہو تو کبھی اختصار کی وجہ سے عبارت میں ضمیر منصوب متصل کو حذف کر دیا جاتا ہے جبکہ اس کے حذف ہونے پر قرینہ بھی دلالت کر رہا ہو۔

لاَ تُصَدِّقْ کُلَّ ما تَسْمَعُ:

لفظی ترجمہ:

تو سچا نہ جان ہر اس بات کو جسے تو سُنے۔

بامحاورہ ترجمہ:

ہر وہ بات جسے تو سُنے اُس کو سچا نہ جان۔
ہر سُنی سُنائی بات پر یقین مت کرو۔

اس عبارت کا اجراء:

مـا تَسْـمَعُ اصل میں: مـا تَسْـمَعُـہ تھا. "مَـا" اسم موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر منصوب متصل کو حذف کیا گیا ہے۔

جب عبارت میں "مَا" موصولہ آئے تو "ما" سے مراد جو چیز ہو، ترجمہ کرتے وقت اس چیز کا مفہوم بھی واضح کیا جائے۔ تو یہاں مَــا اسم موصول سے مراد بات / کلام ہے۔ ترجمہ میں اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔

"مــــا" اسم موصول اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر دونوں کا ایک ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے۔

فائدہ:

"مَا" موصولہ کبھی "مَنْ" کی جگہ استعمال ہوتا ہے جیسے:

وَلا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاء.

(3): مَا موصوفه:

یعنی جب "مَا": شیء اسم نکرہ کے معنی میں استعمال ہوتو "مَا" موصوفہ ہوگا۔

مَا عِنْدَكُم يَنْفَدُ:

اگر یہاں "ما" کو شَيْء اسم نکرہ کے معنی میں مراد لیں تو "مَا" موصوفہ کہلائے گا۔ اس صورت میں بظاہر معنی میں کوئی فرق نہیں آئے گا البتہ ترکیب نحوی میں فرق آئے گا۔

(1): جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا۔

(2): جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا۔

یہاں "ما" موصوفہ مبنی بر سکون محلا مرفوع بمعنی: شیء مبتدا ہے۔ اور عِنْدَكُمْ اس کی صفت ہے اور "ما" موصوفہ کی صفت ہونے کی وجہ سے محلا مرفوع ہے۔ اور يَنْفَد خبر بن رہا ہے۔

ضَاعَ مَا كَتَبَه:

جو کچھ اس نے لکھا تھا وہ ضائع ہو گیا۔

یہاں "مَا" میں دو احتمال ہیں:

(1): "مَا" موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں كَتَبَه: جملہ فعلیہ ہو کر صلہ بنے گا اور صلہ کا محلا کوئی اعراب نہیں ہوتا۔

(2): "مَا" موصوفہ بھی ہو سکتا ہے اگر "مَا" موصوفہ مراد لیں تو اس صورت میں "مَا" بمعنی شیء: اسم نکرہ کی تاویل میں ہو کر موصوف ہوگا اور كتبه: جملہ فعلیہ ہو کر صفت بنے گا

(4): مَا شرطيه:

یعنی کبھی مَا اسمیہ شرط کا معنی دیتا ہے اس صورت میں "مَا" اسم شرط جازم کہلاتا ہے۔

اور "مَا" اسم شرط جازم: یہ شرط اور جواب شرط (جزاء) دونوں کو جزم دیتا ہے۔ "مَا" شرطیہ کا ترجمہ موقع کی مناسبت سے عموماً: جو/جس/جسے/جب کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور یہ غیر ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

جب "مَا" اسمیہ شرط کے معنی میں استعمال ہو تو فعل کو حال اور مستقبل کے معنی میں کردیتا ہے۔

نوٹ:

جب "مَا" اسمیہ شرط کے معنی میں استعمال ہو تو اس صورت میں فعل کا ترجمہ کرتے وقت معلوم ہونا چاہیے کہ کب فعل کا حال والا ترجمہ کیا جائے اور کب فعل کا مستقبل والا ترجمہ کرنا دُرست ہے۔ لہٰذا موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے کسی ایک صورت کا تعین کرکے فعل کا ترجمہ کریں۔

مثال:

جہاں فعل مضارع کا حال والا ترجمہ کرنا ضروری ہو وہاں بلا وجہ اس کا مستقبل والا ترجمہ کرنے سے بسا اوقات عبارت کا معنی ہی فاسد ہوجاتا ہے، جیسے:

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللهُ:

یہاں فعل مضارع کا مستقبل والا ترجمہ کرنا:

اور جو بھلائی تم کروگے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوجائے گا/اللہ تعالیٰ اس کو جان لے گا/اللہ کو اس کا علم ہوکر رہے گا۔

یہ سب ترجمے غلط ہیں کیونکہ یہاں فعل مضارع کا حال والا ترجمہ کیا جائے گا اس لئے کہ اللہ کا علم ازلی ابدی وقدیم ہے، لہٰذا اس عبارت کا دُرست اور معیاری ترجمہ یہ ہے:

اور تم جو نیکی کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔

اور تم جو بھلائی کرو اللہ اسے جانتا ہے/اللہ اسے پہلے سے جانتا ہے/اللہ کو اس کا علم ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا:

(1): جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے

(2): ہم جس آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں۔

(3): جو آیت ہم منسوخ کردیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر لاتے ہیں۔

ترکیب نحوی:

"مَا" اسم شرط جازم مبہم، محلا منصوب، مفعول بہ مقدم۔

نَنْسَخْ: فعل شرط مجزوم۔نحن: ضمیر مستتر فاعل۔

مِن آية: میں: مِن حرف جار بیان جنس کے لیے ہے، آية: مجرور۔ جار مجرور ظرف مستقر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر اسم شرط سے حال۔

دوسرا احتمال: مِن آية: جار مجرور ظرف مستقر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر "مَا" اسم شرط کی صفت۔ اس صورت میں عبارت کا معنی ہوگا:

ايُّ شيء نَنْسَخْ مِنْ الآيات.

فائده:

جب "مَا" اسم شرط جازم فعل پر داخل ہو تو اِعراب (ترکیبی تعلق) کے اعتبار سے اس کی تین صورتیں بنتی ہیں:

(1): "مَا" اسم شرط جازم کے بعد فعل لازم آئے تو ترکیب میں "مَا" اسم شرط کو مبتدا بنائیں گے۔

(2): "مَا" اسم شرط جازم کے بعد فعل متعدی واقع ہو مگر اس فعل متعدی کا مفعول بہ بھی مذکور ہو تو اس صورت میں بھی "مَا" اسم شرط کو مبتدا بنائیں گے، جیسے:

ما تَقْرَأهُ يُفِدْكَ:

(3): "مَـــا" اسم شرط جازم کے بعد فعل متعدی واقع ہومگر اس فعل متعدی کا مفعول بہ مذکور نہ ہوتو اس صورت میں "مَا" اسم شرط کو محلاً منصوب، مفعول بہ مقدم بنائیں گے، جیسے:

ما تقرَأ يُفِدْكَ:

(5): مَا تعجبیہ:

یعنی کبھی "مَا" اسمیہ تعجب کا معنی دیتا ہے اس صورت میں "مَا" تعجبیہ کہلاتا ہے۔ اور نکرہ تامہ یعنی شيء کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

جملہ تعجب میں تین چیزیں ہوتی ہیں:

مَا تعجبیہ، اور اَفْعَلَ کے وزن پر صیغہ تعجب، اور متعجب منہ کا ذکر۔

مَا تعجبیہ کا ترجمہ عموماً: " کیا ہی" یا" کتنا" کے ساتھ کیا جاتا ہے جیسے:

مَا اَجْمَلَ السماءَ:

آسمان کیا ہی خوبصورت ہے / آسمان کتنا خوبصورت ہے۔

ترکیب نحوی:

مَـا تـعـجبیـہ: مبنی بر سکون محلاً مرفوع مبتدا، اَجْـمَـلَ: فعل ماضی مبنی بر فتحہ، اس میں هو: ضمیر مستتر فاعل کی طرف لوٹ رہی ہے اور السمـاءَ: مفعول بہ منصوب اور یہ جملہ فعلیہ محلا مرفوع خبر ہے۔

(6): مَا صفتیہ:

کبھی "مَا" اسمیہ: اسم نکرہ موصوف کی صفت کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے اور اس صورت میں ترکیب کلام میں صفت بنتا ہے اور معنوی اعتبار سے عموم کی تاکید پیدا کرتا ہے لہذا ایسے الفاظ سے ترجمہ کیا جائے جو عموم تاکید کا معنی دے مثلاً:

يُصَلِّي رَجُلٌ مَا:

اس مثال میں "مَـا": صـفتیـہ ہے جو موصوف سے سمجھے جانے والے معنی میں عموم پیدا کررہا ہے:

بامحاورہ ترجمہ:

کوئی ایک مرد نماز پڑھ رہا ہے۔

ترکیب نحوی:

يُصَلِّي: فعل مضارع مثبت معروف، ثلاثی مزید فیہ، باب تفعیل۔

رَجُلٌ: موصوف فاعل۔

مَا صفتیه: مبنی بر سکون محلاً مرفوع صفت۔

ما حرفیه کی قسمیں:

"مَا" حرفیہ کی چار قسمیں ہیں:

(1): مَا حرفیه مصدریه:

کبھی "مَـا" فعل پر داخل ہو کر فعل کو مصدر / مصدر معلوم کے معنی میں کر دیتا ہے اور اسے "مَا" مصدریہ کہا جاتا ہے۔

"مَا" مصدریه کی دو قسمیں ہیں:

(1): "مَا" مصدریه غیر زمانیه:

یعنی جس "مَـا" میں صرف مصدر والا معنی ہو، زمانہ / ظرف والا معنی نہ ہو وہ مصدریہ غیر زمانیہ کہلاتا ہے۔ اور اس "مَا" کو مصدر مُؤوّل بھی کہا جاتا ہے۔

اور جب مطلقاً "مَا" مصدریه بولا جائے تو عام طور پر مصدریہ غیر زمانیہ مراد ہوتا ہے۔

"مَا" مصدریه: ترکیب کلام میں کبھی مجرور، کبھی مضاف الیہ اور کبھی مفعول بہ بنتا ہے۔

بِمَا اَشْرَكُوا:

مثال:

اس مثال میں "مَا" مصدریه غیر زمانیه: مبنی بر سکون محلاً مجرور ہے جو فعل کو مصدر کے معنی میں کر رہا ہے۔ گویا اصل عبارت یوں تھی: بِاِشْرَاكِهِم:

لہٰذا اب مصدر والا ترجمہ یوں کیا جا سکتا ہے:

ان کے شریک ٹھرانے کے سبب۔
موقع کی مناسبت سے محاورتی تعبیر کے مطابق یوں ترجمہ کرنا بھی دُرست ہے:
اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھرایا۔

نوٹ:

موقع محل کے اعتبار سے ان دونوں تعبیرات میں سے جو تعبیر مناسب معلوم ہو، اُسی تعبیر کے مطابق ترجمہ کیا جائے۔

آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَاسُ:

ترکیب نحوی:

آمِنُوا: فعل أمر مبنى والواو ضمير فاعل.
كَمَا: کاف حرف جر اور "مَا" مصدريه غير زمانيه: مبنی برسکون محلاً مجرور ہے جس نے معنوی اعتبار سے فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیا ہے۔
آمَنَ: فعل ماضى. الناس: فاعل مرفوع.
"مَا" مصدريه فعل کے ساتھ ملکر محل مصدر میں / مصدر کی تاویل میں / مصدر مؤول، محلا مجرور.
جار مجرور ظرف مستقر ہو کر شبہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر "ایـمـانـاً" مصدر موصوف مفعول مطلق محذوف کی صفت۔
گویا اصل عبارت یوں تھی:
آمِنُوا اِيُماناً كَاِيُمان الناسِ۔

لفظی ترجمہ:

ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے لوگ۔

بامحاورہ ترجمہ:

دوسرے لوگوں کے ایمان لانے کی طرح ایمان لاؤ۔
تم اسی طرح ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے۔

ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں۔
موقع محل کے اعتبار سے جو تعبیر مناسب معلوم ہو، اُسی تعبیر کے مطابق ترجمہ کیا جائے۔

يَأكُلُ الطعامَ بَعْدَمَا يُصَلِّي:

بَعْدَمَا: میں "مَا" مصدريه غير زمانيه: مبنی برسکون محلاً مجرور ہے۔

بامحاورہ ترجمہ:

وہ نماز پڑھنے کے بعد کھانا کھاتا ہے۔
جب وہ نماز پڑھ لیتا ہے تو کھانا کھاتا ہے۔
نماز پڑھ کر (نماز سے فارغ ہوکر) کھانا کھاتا ہے۔

فرح زيد عندما رأى صديقه:

عندما: میں "مَا" مصدريه غير زمانيه: مبنی برسکون محلاً مجرور ہے۔
عندما: کا ترجمہ عموماً: جب / جس وقت / وقت / ہی / کر: کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

بامحاورہ ترجمہ:

زید خوش ہوا جب / جس وقت اس نے اپنے دوست کو دیکھا۔
زید اپنے دوست کو دیکھ کر خوش ہوا۔
زید اپنے دوست کو دیکھتے ہی خوش ہوگیا۔
زید اپنے دوست کو دیکھنے کے وقت خوش ہوا۔

نوٹ:

موقع کی مناسبت سے ایک عبارت کا مختلف تعبیرات میں ترجمہ کیا جاسکتا ہے آپ کو زبان کے اسلوب وادب پر جتنی زیادہ مہارت ہوگی ایک مفہوم کو مختلف طریقوں سے بیان کرنے کی صلاحیت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ ترجمہ کرنے میں کمزوری کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ترجمہ کرنے والا زبان کے اسلوب وادب اور مزاج سے واقف نہیں ہوتا۔

(2): "مَا" حرفيه مصدريه ظرفيه (زمانيه):

اگر "مَـــا" میں مصدر والا معنی ہونے کے ساتھ ساتھ وقت بھی ملحوظ ہو تب اسے "مَـــا": مصدریہ ظرفیہ کہتے ہیں۔

وضاحت:

یعنی جب "مَـــا" مصدری معنی پر دلالت کرنے کے ساتھ ساتھ ظرف والا معنی بھی دے تو اسے مصدریہ ظرفیہ کہا جاتا ہے اور یہ بھی فعل پر داخل ہوتا ہے اور فعل ظرف زمان ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہوتا ہے۔

"مَـــا" مصدریہ ظرفیہ کا ترجمہ عموماً: "جب" یا "جب تک" یا "جس وقت" کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مثال:

أعْمَلُ الْخَيْرَ ما دُمْتُ حَيّاً:

اس مثال میں "مَا" مصدریه ظرفیه: مبنی برسکون محلاً مجرور ہے۔ کیونکہ فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیا ہے اور اس میں ظرف/مدت والا معنی بھی پایا جا رہا ہے۔

گویا تقدیر عبارت یوں تھی:

أعْمَلُ الْخَيْرَ مُدةَ دَوامِي حَيّاً:

لفظی ترجمہ:

میں بھلائی کرتا رہوں گا زندہ رہنے کے وقت تک۔

بامحاورہ ترجمہ:

میں بھلائی کرتا رہوں گا جب تک میں زندہ ہوں۔

أوْصَانِي بالصلاة و الزكاة ما دُمْتُ حَيّاً:

اور مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک جیوں

سوال:

"مَا" موصولہ اور "مَا" مصدریہ میں فرق کیسے معلوم ہوگا؟

جواب:

اگر "مَا" کی جگہ "الذي" رکھنے سے عبارت کا معنی و مفہوم دُرست رہے اور یہ معنی کلام سے مقصود بھی ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ "مَا" اسم موصول ہے۔

اگر "مَا" کے بعد فعل ہو اور اس فعل کا مصدری ترجمہ کرنے کی صورت میں بھی عبارت کا معنی و مفہوم دُرست رہے اور متکلم بھی اپنے کلام کے ذریعے یہ ہی مفہوم ادا کرنا چاہتا ہو تو عام طور پر یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ یہ "مَا" مصدریہ ہے۔

مثال:

أُحِبُّ مَا كَتَبْتَ:

یہاں "مَا": میں دو احتمال ہیں: "مَا" موصولہ بھی ہو سکتا ہے اور "مَا" مصدریہ بھی۔

(1): اب اگر اس عبارت میں "مَا" کی جگہ "الذي" رکھیں تو عبارت یوں ہوگی:

أُحِبُّ الذي كَتَبْتَ:

بامحاورہ ترجمہ:

میں اُسے پسند کرتا ہوں جو تم نے لکھا ہے۔

اب یہ دیکھیں کہ اگر متکلم بھی اپنے اس کلام (أُحِبُّ مَا كَتَبْتَ) کے ذریعے یہ ہی معنی ادا کرنا چاہتا ہے کہ میں اُس چیز کو پسند کرتا ہوں جسے تم نے لکھا ہے۔ تو یہ "مَا" موصولہ ہوگا۔

(2): اگر متکلم نے "مَا" مصدریہ مراد لیا ہو اور اس کا مقصود بھی یہ معنی ادا کرنا ہو کہ میں تمہارے لکھنے کا طریقہ کار / تمہارے لکھنے کا انداز پسند کرتا ہوں تو گویا اب اصل عبارت یوں ہوگی:

أُحِبُّ كِتَابَتَكَ اَيْ: طريقةَ كِتابَتِكَ :

بامحاورہ ترجمہ:

میں تمہارے لکھنے کو پسند کرتا ہوں یعنی تمہارے لکھنے کا انداز پسند کرتا ہوں۔

مصدر والا ترجمہ کرنے کی صورت میں بھی عبارت کا دُرست معنی بن رہا ہے۔ اور متکلم

کا مقصود بھی یہ ہی معنیٰ ادا کرنا ہو تو اس صورت میں "مَا" مصدریہ ہوگا۔

نوٹ:

یہ یاد رہے کہ بسا اوقات سیاق وسباق اور قرینہ کے ذریعے بھی "مَا" موصولہ کی تعیین ہو جاتی ہے جیسا کہ اگر مذکورہ عبارت یوں ہوتی:

أُحِبُّ مَا كَتَبْتَهُ:

یہاں "مَا كَتَبْتَهُ" میں فقط "مَا" اسم موصول ہے "مَا" مصدریہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ "كَتَبْتَهُ" میں "هُ" ضمیر منصوب متصل "مَا" کی طرف لوٹ رہی ہے جو اس بات پر واضح قرینہ ہے کہ "مَا" اسم موصول ہے۔ گویا اصل میں عبارت یوں ہے:

أُحِبُّ الذي كَتَبْتَه:

صرف تعبیرات کا فرق ہے مگر دونوں صورتوں میں معنیٰ ومفہوم ایک ہی ہے کہ میں اُس چیز کو پسند کرتا ہوں جسے تم نے لکھا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ:

یہاں "مَا": میں دو احتمال ہیں: "مَا" موصولہ بھی ہوسکتا ہے اور "مَا" مصدریہ بھی۔

اگر "مَا" موصولہ مراد لیں تو معنیٰ ہوگا:

اور اللہ نے پیدا کیا تمہیں اور ان کاموں / چیزوں کو جنہیں تم کرتے ہو۔

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔

اگر "مَا" مصدریہ غیر ظرفیہ مراد لیں تو ترجمہ ہوگا:

اور اللہ نے پیدا کیا تمہیں اور تمہارے کام کرنے کو یعنی کام کرنے پر تمہاری قدرت کو۔

بِعْتُ في السُّوقِ مَا جَمَعْتُ:

بظاہر اس عبارت سے یہ ہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں "مَا" موصولہ ہے۔ کیونکہ عام طور پر جمع کیا ہوا مال ہی بازار میں بیچا جاتا ہے جبکہ نفسِ فعل / نفس جمع کرنے کو کوئی نہیں بیچتا۔ گویا کہ اصل میں عبارت یوں ہے:

بِعْتُ فِي السُّوقِ الذي جَمَعْتُه:
دونوں عبارتوں کا معنی ومفہوم ایک ہی ہے صرف تعبیرات کا فرق ہے:

بامحاورہ ترجمہ:

میں نے بازار میں وہ چیز بیچی جسے میں نے جمع کیا تھا۔
میں نے بازار میں اپنی جمع کی ہوئی چیز بیچی۔

سَرَّنِي ما قُمْتَ:
یہاں فقط "مَا" مصدریہ غیرظرفیہ مراد ہے "مَا" موصولہ نہیں ہوسکتا۔
گویا کہ اصل عبارت یوں ہے:
سَرَّنِي قِيَامُكَ:
دونوں عبارتوں کا معنی ومفہوم ایک ہی ہے صرف تعبیرات کا فرق ہے:

لفظی ترجمہ:

خوش کیا مجھے تمہارے کھڑا ہونے نے۔

بامحاورہ ترجمہ:

تمہارے کھڑے ہونے سے میں خوش ہوا/مجھے خوشی ہوئی۔

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا:
اور کافروں کی باتوں پر صبر فرماؤ اور انہیں اچھی طرح چھوڑ دو۔
اور جو باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان کو سہتے رہو اور اچھے طریق سے ان سے کنارہ کش رہو
اس مثال میں "مَا" کو آپ مصدریہ غیرظرفیہ بھی بنا سکتے ہیں البتہ یہ "مَا" موصولہ ہے

نوٹ:

بعض جگہوں پر "مَـا" کے اندر مصدریہ اور موصولہ دونوں طرح کی صلاحیت ہوتی ہے۔
لہذا دونوں طرح ترکیب کی جاسکتی ہے۔
البتہ جہاں "مَـا" کے بعد والا جملہ ایسا ہو کہ اس میں ضمیر غائب ظاہراً یا تقدیراً نہ ہو تو پھر

"مَـــا" کوموصولہ نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ صلہ کے اندر ایک ضمیر کا ہونا لازمی ہے جو موصول کی طرف لوٹے تا کہ صلہ وموصول کا آپس میں ربط قائم رہے، مثلاً:

وضاقت عليهم الأرض بما رحبت:

یہاں "مَـــا" کوموصولہ نہیں بنا سکتے کیونکہ بعد والے جملے میں کوئی ایسی ضمیر نہیں نکالی جاسکتی جو اس کی طرف لوٹے۔

سوال:

سوال یہ ہے کہ "مَـــا" مصدر یہ ظرفیہ اور غیر ظرفیہ میں فرق کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ یعنی کیسے پتا چلے گا کہ یہ "مَا" مصدریہ ظرفیت پر دلالت کر رہا اور یہ نہیں؟

جواب:

"مَا" موصولہ ہو یا مصدریہ ہو اپنے مابعد سے ملکر جملہ کا ایک جز بنتا ہے۔ اب "مَا" موصولہ تو اسم ہوتا ہے جو اپنے صلہ کے ساتھ ملکر جملہ کا جزو بن سکتا ہے۔

لیکن "مَـــا" مصدریہ کو حرف مصدر سمجھا جاتا ہے اور اس کا کام صرف مابعد فعل کے اندر زمانہ والا معنی نکال کر اس کو مصدر کی تاویل میں کر دینا ہوتا ہے (یعنی فعل میں صرف مصدری معنی باقی رہ جاتا ہے) جس سے مابعد فعل چونکہ مصدر کی تاویل میں یعنی اسم ہو جاتا ہے اس لئے وہ پھر "مَا" موصولہ کی طرح جملہ کا جزو بن سکتا ہے۔

اس کو سمجھنے کے بعد اب یہ یاد رکھیں کہ "مَا" کے بعد جو فعل ہے اگر وہ مدت کے معنی میں آرہا ہو تو پھر "مَـا" مصدریہ ظرفیہ بن جائے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ "مَـا" مصدریہ غیر ظرفیہ بن جائے گا، مثلاً:

أَجِيءُ ما تَدْعُونِي:

میں آؤں گا جب/جس وقت تم بلاؤ۔

ہم نے یہاں خود دیکھنا ہے کہ "مَـــا" اپنے مابعد فعل سے ملکر مدت کو ظاہر کر رہا ہے یا پھر غیر مدت کو ظاہر کر رہا ہے۔ پس اگر "مَـــا" مصدریہ کا مابعد فعل مدت کو ظاہر کر رہا ہو تو "مَـــا"

مصدریہ ظرفیہ ہوگا ورنہ نہیں۔

جبکہ یہاں آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ "مَــا" مصدریہ کے بعد جو فعل آرہا ہے وہ ماقبل کا ظرف ہی بن سکتا ہے کیونکہ مدت کو ظاہر کررہا ہے، لہذا "مَا" مصدریہ ظرفیہ ہوگا۔

وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ:

وہ تمہارا مشقت میں پڑنا چاہتے ہیں۔

وہ چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے۔

وہ تو چاہتے ہیں کہ تمہیں مشقت پہنچے۔

یہاں "مَا" مصدریہ غیرظرفیہ ہے کیونکہ اس نے مابعد کو ظرف کی بجائے مفعول بہ بنا دیا۔

(2):مَا حرفیہ نافیہ:

"مَا" نافیہ کی دو قسمیں ہیں:

(1):"مَا" نافیہ غیر عاملہ/ "مَا" نافیہ تمیمہ:

"مَا" نافیہ غیر عاملہ: مبنی برسکون ہوتا ہے، اسم اور فعل دونوں پر داخل ہوتا ہے، لفظی عمل نہیں کرتا لہذا جو "مَا" صرف نفی کا معنی دیتا ہو، لفظاً کوئی عمل نہ کرتا ہو، اس طرح کے "مَا" کو مَا تَمِیمہ بھی کہا جاتا ہے۔

مثالیں:

مَا اَخُوکَ قَائِم:

اس عبارت میں "مَا" نافیہ غیر عاملہ/ "مَا" نافیہ تمیمہ اسم پر داخل ہے جو صرف نفی کا معنی دے رہا ہے، لفظی عمل نہیں کررہا۔

لفظی ترجمہ:

نہیں ہے تمہارا بھائی کھڑا۔

بامحاورہ ترجمہ:

تمہارا بھائی کھڑا نہیں ہے۔

ترکیب نحوی:

"مَا"نافیہ تمیمہ، اَخُوک: مبتدا، اور قائِم: خبر۔

فَمَا رَبِحَتْ تِجَارتُھم:

یہاں اس آیت میں "مَا"نافیہ غیر عاملہ / "مَا"نافیہ تمیمہ فعل پر داخل ہے جو صرف نفی کا معنی دیتا ہے، لفظی عمل نہیں کرتا۔

لفظی ترجمہ:

پس نہیں نفع دیا اُن کی تجارت نے۔

بامحاورہ ترجمہ:

پس اُن کی تجارت نے فائدہ نہیں دیا۔

تو ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا

مَا یُرِیْدُ اللهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ حرَجٍ:

یہاں "مَا"نافیہ غیر عاملہ / "مَا"نافیہ تمیمہ فعل مضارع پر داخل ہے جو صرف نفی کا معنی دیتا ہے، لفظی عمل نہیں کرتا۔

لفظی ترجمہ:

نہیں چاہتا اللہ تعالی کہ وہ رکھے تم پر کوئی تنگی۔

بامحاورہ ترجمہ:

اللہ نہیں چاہتا کہ وہ تم پر کوئی تنگی رکھے۔

اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی سختی کرے۔

اللہ تمھارے لئے کسی طرح کی زحمت (تنگی) نہیں چاہتا۔

خدا تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا۔

(2):"مَا"نافیہ عاملہ/ "مَا"نافیہ حجازیہ:

"مَا"نافیہ عاملہ / "مَا"نافیہ حجازیہ: مبنی بر سکون ہوتا ہے، صرف اسم پر داخل

ہوتا ہے۔ "لَیْسَ" کی طرح لفظی عمل کرتا ہے کہ اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتا ہے اور حال کی نفی کرنے میں "لَیْس" کے مشابہ ہے اسی وجہ سے اس کو مَا مُشابِہ بلَیْسَ بھی کہا جاتا ہے۔

ما زید قائماً:

لفظی ترجمہ:

نہیں ہے زید کھڑا۔

بامحاورہ ترجمہ:

زید کھڑا نہیں ہے۔

نوٹ:

چند صورتوں میں "مَا" نافیہ عِاملہ کا عمل باطل ہو جاتا ہے، مثلاً:

(1): "مَا" نافیہ عاملہ کا معنیٰ "اِلَّا" کے ذریعے ٹوٹ رہا ہو تو "مَا" عمل نہیں کرتا:

وما محمدٌ إلَّا رسولٌ:

لفظی ترجمہ:

اور نہیں ہیں محمد مگر رسول۔

بامحاورہ ترجمہ:

اور محمد رسول ہی ہیں۔

اور محمد تو ایک رسولؐ ہیں

ترکیب نحوی:

الواو استئنافیة، "مَا" نافیه، محمد: مبتدا، "اِلَّا": ادات حصر، رسولٌ: خبر۔

(2): اگر "مَا" نافیه عامله کی خبر مقدم ہو جائے تب بھی اس کا عمل باطل ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے یہ کہنا دُرست نہیں ہے:

ما مُسَافِراً محمدٌ:

بلکہ یوں کہا جائے گا: ما مُسَافِرٌ محمد:

یہاں "مَا" نافیه عامله کی خبر مقدم ہے اس لئے یہ عمل نہیں کر رہا ہے۔

(3):مَا حرفیہ زائدہ:

"مَا" زائدہ: معنوی اعتبار سے معنی کے اندر تاکید پیدا کرتا ہے یا کثرت میں مبالغہ کا معنی پیدا کرتا ہے۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ:

یہ ایک ذلیل لشکر ہے انہیں لشکروں میں سے جو وہیں بھگا دیا جائے گا۔

ترکیب نحوی:

جُنْد: مبتدأ مرفوع۔

ما: اس میں دو احتمال ہیں:

(1):ما: زائدہ ہے۔

جُنْد: میں تنوین تحقیر کے لیے ہے۔تو تحقیر میں تاکیدی معنی پیدا کرنے کے لیے ما: زائدہ :لایا گیا ہے۔

(2):ما: صفتیہ ہے۔

قليلا ما تتذكرون:

ما: اس میں دو احتمال ہیں:

(1):ما: زائدہ ہے۔

(2):ما: مصدریہ ہے۔

ذهبتُ لامر ما:

ما: اس میں دو احتمال ہیں:

(1):ما: زائدہ ہے۔

اَمْر: میں تنوین تعظیم کے لیے مراد لیں۔تو تعظیم میں ما: زائدہ تاکیدی معنی پیدا کر رہا ہے اس صورت میں اس کا معنی ہوگا: **ذهبتُ لامر عظيم**.

(2):ما: صفتیہ ہے۔

حرف جراورادات شرط کے عمل کوروکنے یا نہ روکنے کے اعتبار سے "مَا" زائدہ کی دو قسمیں ہیں:

(1):"مَا" زائدہ کافّہ:

اِنَّ، لَیتَ، کَاَنَّ، لَعَلَّ، رُبَّما، وغیرہا کے بعدآتا ہےاوراسے "مَا" زائدہ کافّہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ اِنہیں عمل کرنے سے روک دیتا ہے۔

اِنَّمَا الاعمالُ بالنیات:

ترکیب نحوی:

اِنَّ: حرف مشبہ بالفعل، "مَا" زائدہ کافّہ: جس نے "اِنَّ" کوعمل کرنے سے روک دیا۔
الاعمال: مبتدا. بالنیات: جارمجرورظرفِ مستقرشبہ فعل محذوف سے متعلق ہوکرخبر۔

(2):"مَا" زائدہ غیر کافّہ:

"مَا" زائدہ غیر کافّہ: حرف جراورادات شرط کے بعد ذکر کیا جاتا ہےاوراِنہیں عمل کرنے سے نہیں روکتا۔

فبِمَا رحمةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُم:

اللہ کی مہربانی کے سبب تم ان کے لئے نرم ہوئے۔

ترکیب نحوی:

"فبِمَا" میں "فاء" استئنافیہ، "باء" حرف جر ہےاور"مَا" زائدہ غیر کافّہ، کیونکہ یہ باء حرف جرکوعمل کرنے سے نہیں روک رہااور"مَا": معنوی اعتبار سے مزید تاکید کے لئے ہے۔"رحمةٍ": مجرور: جارمجرورظرف مستقر۔

اَینَما تَکُونوا یُدْرِکْکُم الموتُ:

ترکیب نحوی:

"اَینَما" میں "اَین" حرف شرط جازم ہےاور"مَا" زائدہ غیر کافّہ، کیونکہ یہ اسم شرط جازم کوعمل کرنے سے نہیں روک رہااور"مَا" معنوی اعتبار سے شرط میں تاکید پیدا کر رہا ہے۔

سوال:

"مَا" زائدہ اور "مَا" موصولہ کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب:

ترکیبِ کلام میں "مَا" زائدہ کا محلاً کوئی اعراب نہیں ہوتا مگر معنوی اعتبار سے معنی کے اندر تاکید پیدا کرتا ہے یا کثرت میں مبالغہ کا معنی پیدا کرتا ہے۔

جبکہ "مَــا" موصولہ: اصل میں اسم موصول ہوتا ہے۔ ترکیبِ کلام میں اس کا محلاً اعراب ہوتا ہے اور یہ "الذي" کے معنی میں ہوتا ہے۔

فو الله مَا عَلِمتُ أَنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ:

خدا کی قسم جہاں تک میں جانتا ہوں یہ اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے۔

علمتُ: میں "مَا" بمعنی الّذی اور یہ موصول صلہ لفظ اللہ کی صفت ہے یعنی اللہ کی قسم جس کو میں جانتا پہچانتا ہوں یہ اللہ و رسول کا محبّ ہے۔ یا "مَا" زائدہ ہے یعنی میں یقین و جزم سے جانتا ہوں کہ یہ اللہ وسول کا محبّ ہے۔

چھبیسویں فصل



چند اُردو الفاظ کے معنی کی وضاحت

اُردوزبان میں استعمال ہونے والے چند الفاظ کا معنی اور استعمال بیان کیا جاتا ہے:

(1): "ہونہو": اُردو میں تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ہے: "ضرور" جیسے:

ہونہو (ضرور) یہ تو وہی معلوم ہوتا ہے۔

(2): "نیز": بھی بعض اوقات "اور" کے معنی میں آتا ہے، جیسے:

اس کا سارا ساز و سامان نیز (اور) جائیداد منقولہ اس کے حوالے کردی گئی۔

(3): "جو": شرطیہ معنی میں بھی کبھی آتا ہے، جیسے:

جو تم کروگے تو میں کروں گا۔

(4): حروف شرط بعض اوقات محذوف بھی ہوتے ہیں، لہذا ضروری نہیں ہے کہ ہرجگہ حرف شرط ذکر کیا جائے، جیسے:

وہ جائے گا تو میں جاؤں گا۔

(5): "جب" کبھی "جس وقت" کے معنی میں آتا ہے، جیسے:

جب (جس وقت) میں کھانا کھاؤں گا تو بسم اللہ پڑھوں گا۔

(6): "جب" کبھی "اُسی وقت" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے:

یہ کام جب (اُسی وقت) ہی ہوسکتا ہے کہ وہ بھی مدد کرے۔

(7): "جب" کبھی "تب" کے معنی میں آتا ہے، جیسے:

لکھنے پڑھنے میں بڑی سخت محنت کرنی پڑتی ہے جب (تب) کچھ آتا ہے۔

(8): "جب" کبھی "تک" سے مل کر آتا ہے اور شرطیہ معنی دیتا ہے: "جب تک" عموماً حرف نفی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، جیسے:

جب تک میں نہ آؤں تم نے نہیں جانا۔

(9): "جب تک" کبھی حرف نفی کے بغیر بھی استعمال ہوتا ہے اس صورت میں "جس وقت تک" کے معنی میں ہوتا ہے، جیسے:

جب تک (جس وقت تک) میں یہاں ہوں تمہیں کوئی اندیشہ نہیں۔

(10):" تب" اور" تو": شرطیہ جملوں میں شرط کے جواب میں آتے ہیں اس لیے ان کو حرف جزا کہتے ہیں۔مگر" تب" کا استعمال جزا کے لیے کم ہو گیا ہے۔

(11):" کہ" حرف بیانیہ ہے اور ہمیشہ دو جملوں کے ملانے کے لیے آتا ہے، جیسے:

میں سمجھا کہ اب وہ نہ آئے گا۔

" کہ": عموماً مقولہ کے بعد آتا ہے یا مقصد، ارادہ، امید، خواہش، رجحان، حکم، نصیحت یا مشورہ، ڈر، اجازت، کوشش، ضرورت یا فرض کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے:

میرا ارادہ ہے کہ اب یہاں سے چل دوں۔

مگر بعض اوقات یہ حرف تردید کا کام بھی کرتا ہے اور" یا" کی جگہ بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: میں وہی ہوں تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔

(12):" با" کا معنی ہے: ساتھ:، جیسے: باثر، باوفا، باقاعدہ۔

(13):" بے" نفی کے لے آتا ہے، جیسے: بے ادب، بے نصیب۔

(14):" اَن" ہندی کا لفظ ہے یہ بھی نفی کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے: اَن پڑھ۔

(15):" پُر" کا معنی ہے: بھرا ہوا:، جیسے: پُر جوش، پُر زور۔

(16): ایسا لفظ جو غلط ہونے کے باوجود اہل زبان کے استعمال میں ہو" غلطُ العام" کہلاتا ہے۔اسے ساتذہ نے تسلیم کیا ہے کیونکہ غلط العام بھی فصیح ہی مانا جاتا ہے، جیسے:

موجودگی:

قاعدے کے مطابق مرکب نہیں ہے لیکن غلط العام کے ذیل میں مستعمل ہے۔

ادائیگی:

لفظ ادا میں ہائے مختفی نہ ہونے کی وجہ سے" گی" کا اضافہ جائز نہیں یہ بھی غلط العام ہے۔

ناراضگی:

لفظ" ناراض" میں" گی" کا اضافہ جائز نہیں یہ بھی غلط العام ہے۔لفظ" ناراض" میں قاعدے کے مطابق" ی" کی اضافت سے" ناراضی" کہنا لکھنا دُرست ہوگا۔

جبکہ "غلَطُ العوام" وہ لفظ ہے جسے صرف عوام بولتے ہیں فصحا استعمال نہیں کرتے۔

نہ ہی:

"نہ" کے ساتھ "ہی" کا استعمال نہ صرف روزمرہ بلکہ قواعد کے بھی سَراسر خلاف ہے۔
"ہی" کو حرفِ نفی کے ساتھ لکھنا بھی جائز نہیں۔

کبھی بھی اور ابھی بھی:

یہ دونوں لفظ غیر فصیح ہیں۔ جملے کو ثقالت سے بچانے کے لیے اس طرح کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے۔

فہرست